ارشاد الطالبین
تصنیف
حضرت قاضی محمد ثناء اللہ مجددی پانی پتی قدس سرہٗ
ترجمہ و حواشی
مولانا ڈاکٹر غلام محمد دامت برکاتہم
(مؤلفِ تذکرہ سلیمان، حیاتِ اشرف وغیرہ)
ناشر
مکتبہ اسحاقیہ
جونا مارکیٹ۔ کراچی ۲ ــــ فون: ۲۳۰۲۰۰

اِرشاد الطالبین

تصنیف

حضرت قاضی محمد ثناء اللہ مجددی پانی پتی قدس سرہٗ

ترجمہ و حواشی

مولانا ڈاکٹر غلام محمد دامت برکاتہم
(مؤلفِ تذکرۂ سلیمان، حیاتِ اشرف وغیرہ)

ناشر

مکتبہ اسحاقیہ

پھول چوک - جونا مارکیٹ - کراچی ۲

فہرست مضامین

صفحہ	مضامین

عرضِ مترجم

ارشاد الطالبین — تالیفِ انیف قاضی ثناء اللہ پانی پتی قدس سرہٗ — کا اردو ترجمہ پیش ہے۔ تربیتِ باطن اور فنِ سلوک و احسان کے ٹکسالی ذخیرۂ میں سے اس رسالہ کے چن لینے کی وجوہ کیا ہیں؟ اس سوال کی تھوڑی سی تفصیل ضروری بھی ہے اور مفید و بصیرت افروز بھی :-

(ا) یہ رسالہ ایک ایسی ہستی کی قلمی یادگار ہے جو اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھی۔ بیک وقت مفسر و محدث بھی اور فقیہ و متکلم بھی، سخت متشرع بھی اور صاحبِ کمال معرفت بھی، اہلِ قلم بھی اور صاحب ارشاد بھی — ان کی علمی عظمت اور نسبت مع اللہ کی ہیبت ان کے بڑوں بزرگوں پر تک چھائی ہوئی تھی۔

(ب) یہ رسالہ اپنی گیرائی، گہرائی، تجزیۂ مضامین اور حسنِ تفہیم کے اعتبار سے ایک انفرادیت رکھتا ہے۔ اس کے باادب اور پرخلوص مطالعہ سے ایک مومن کا ظاہر سنتِ نبوی کے سانچہ میں ڈھل سکتا اور اس کے حواس باطنی کو چشمہ معرفت کا سراغ مل سکتا ہے۔

(ج) آج جبکہ شیخ کامل اور مکمل کی دریافت و شناخت عنقاء کے شکار

سے کم شکل نہیں۔ یہ رسالہ فوری طور پر صحبت شیخ کا بدل اور انجام کار شیخ کامل کی یافت کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

(د) اس کی عبارت میں حضرت قاضی صاحب قدس سرہٗ کی نسبت باطنی کا اثر نہایت مخفی مگر برقی رو کی طرح جاری وساری اور چھونے والے کے رگ وپے میں سرایت کر جانے والا ہے۔ یہ سنی سنائی بات نہیں بلکہ اپنی ذاتی شہادت ہے۔ اہل مجاہدہ کو معلوم ہے کہ "لطائف" بڑے ریاض سے کھلتے ہیں۔ اپنا تجربہ یہ رہا ہے کہ اس رسالہ کو یکسوئی کے ساتھ پڑھتے ہوئے لطائف خمسہ کا ادراک صاف طور پر ہو گیا تھا۔

(س) امام قشیریؒ کے الرسالہ، حضرت شیخ اکبرؒ کے آداب الشیخ والمریدین یا دورِ حاضر میں حضرت مولانا تھانویؒ کے قصد السبیل الی المولی الجلیل وغیرہا کی طرح یہ رسالہ بلا امتیاز ہر سلسلہ کے سالکان طریق کے لئے چراغ راہ کا کام دے سکتا ہے اس کا تین چوتھائی سے زیادہ حصہ طریقت و حقیقت کے بنیادی اور متفق علیہ مسائل کی تفہیم و تشریح سے متعلق ہے اور آخر کے چند صفحات میں خاص طور پر نقشبندیہ مجددیہ کی اشغال وضاحت آئی ہے۔

(و) اس کا تصنیفی کمال یہ ہے کہ یہ رسالہ مبتدی اور منتہی، مرید اور پیر غیر مفتوح اور مفتوح سب ہی کی ضرورت کا کفیل ہے۔

ع ناقصاں را پیر کامل، کاملاں را رہنما

(ھ) اس رسالہ کے ترجمہ اور اس کی اشاعت سے اصل مقصود احیاءِ سنت کی کوشش ہے کیونکہ اور تو اور — چند مستثنیٰ پیرانِ طریقت کو چھوڑ کر — اکثر مجددی شیوخ اور مجددی خانقاہوں تک میں بدعات

در آئی ہیں اور بانیٔ سلسلہ کے مکتوبات و ارشادات، ان کی تفہیمات اور اُن کے عمل سے مطابقت باقی نہیں رہی ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کا اصل کارنامہ یہی تھا کہ اُن کے بابرکت ہاتھوں سے بدعات کا قلع قمع ہوگیا اور سنت کے طور و طریق کو فروغ کامل حاصل ہوا تھا اور انوارِ سنت کی تابانی نے اشراقیت کے جھوٹے اُجالے کو اوجھل کر ڈالا تھا، مگر وقت کے گذران کے ساتھ پھر خود حضرت ممدوح ہی کے نام لیواؤں میں بھی کہیں ہلکی اور کہیں گہری سیاہیاں بدعات و رسوم کی داخل ہوگئیں۔ اگر مکتوبات امام ربانی یا اس کے مستند و سلیس ترجمان مکتوباتِ معصومیہ کو بھی نہ سہی اسی رسالہ ارشاد الطالبین کو یہ حضرات اپنے نصابِ طریقت کی بنیاد و بنائے رکھتے اور ہر وارد سلسلہ پر اس کی تعلیم و تفہیم لازمی رہتی تو آج مجددیہ طریق کا نکھار غبار آلود نہ ہونے پاتا۔

اس ناچیز نے اپنا یہ خیال جب دورِ حاضر کے سب سے کثیر الفیض مجددی بزرگ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا عبد الغفور العباسی المدنی نور اللہ مرقدہٗ کی خدمتِ اقدس میں پیش کیا تو حضرت ممدوح نے بڑی توجہ سے میری معروضات سنیں اور پھر سرِ مبارک کی جنبش کے ساتھ پُر قوت لہجہ میں فرمایا۔

"سچ ہے!"

اس تصدیق کے بعد عرض گذار کو تو کسی مزید تصدیق کی حاجت رہی ہی نہیں مگر ساتھ ہی ساتھ امید ہے کہ عام مجددی شیوخ اور خادمانِ طریق بھی اس سے مطمئن و متفق ہو جائیں گے اور ارشاد الطالبین کی شمع کو اپنی بزم میں فروزاں رکھیں گے۔

یہاں تک تو ان اسباب کا ذکر ہوا جن کی بنا پر نظرِ انتخاب

ارشاد الطالبین پر پڑی۔ اب ایک سوال اور رہ جاتا ہے اور وہ راقم عاجز کی ذات سے متعلق ہے کہ تمہیں اپنے سلسلۂ چشتیہ اشرفیہ کی خدمت کو چھوڑ کر سلسلۂ مجددیہ کی طرف التفات کیوں ہوا؟ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ مجھ ناکارہ و رسوا کو اپنے شیخ جامع، کامل و مکمل سے جو غیر اختیاری مناسبتیں اور موافقتیں حاصل رہیں ان کے منجملہ ایک یہ بھی ہے کہ حضرت شیخ (سید الملت والدین علامہ سید سلیمان ندوی) نور اللہ مرقدہٗ کی طرح اس عاجز پر بھی پہلا روحانی اثر، لڑکپن سے نوجوانی تک، ایک عظیم محدث اور مجددی پیر طریقت حضرت مولانا ابو الحسنات سید عبد اللہ شاہ حیدرآبادی (صاحب زجاجۃ المصابیح) کا پڑا کیونکہ وہ میرے ابّ و عم کے مرشد تھے۔ انھیں سے بلا قیدِ بیعت لطائف کا ابتدائی درس بھی پایا تھا اور اُسی وقت سے مکتوبات امام ربانی (اردو ترجمہ شائع کردہ ملک چنن دین لاہور) سے شغف پیدا رہا۔ اس کے بعد عین جوانی میں باضابطہ باطنی تربیت حضرت اقدس علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی ارادت و فیضانِ صحبت سے نصیب ہوئی[۱] جو ایک طرف چودہویں صدی ہجری کے مجدد حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کے خلیفہ باختصاص[۲] تھے اور دوسری طرف ان کی ذات بابرکات میں نقشبندی اور چشتی الوان کا امتزاج اس قدر حیرت انگیز اور پُر کیف تھا کہ مجھے پتہ بھی نہ چلا کہ ایک اثرِ فیض سے دوسرے میں منتقل ہو گئی ہے اور مجددی ادبیات سے جو تعلق و انس تھا وہ بھی قائم رہا — پھر بھی یہ قدرت کی کرشمہ سامانی

---

[۱] اس کی عجیب و دلچسپ تفصیل کے لئے احقر کی تالیف تذکرہ سلیمانؒ (حصہ دوم) دیکھئے

[۲] یہ لفظ محض عقیدتاً نہیں لکھا ہے بلکہ واقعتہً معاملہ اختصاص کا رہا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "تذکرہ سلیمان" (حصہ اوّل)۔

دیکھی کہ حضرت شیخ نور اللہ مرقدہٗ کے وصال کے چند برس بعد بے طلب و بے استحقاق ایک دوسرے محدث و مجددی بزرگ حضرت مولانا سید فضل اللہ الجیلانیؒ (صاحب فضل اللہ الصمد فی شرح الادب المفرد) نے (جو حضرت شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی قدس سرہٗ کے مرکزی خلیفہ حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ کے پوتے اور خلیفہ مجاز تھے) اس بے مایہ کو سلسلۂ عالیہ مجددیہ میں خلافت اور بشارتوں سے سرفراز فرمایا فالحمد للہ ؎

زنیکسو بوئے گل وزیکطرف پیغام یار آید
من آں دیوانہ ام کز ہر دو طرف من بہار آید

الحمد للہ ولا فخر! بہر حال اس تعلق کا تقاضہ ہوا کہ تھوڑی بہت خدمت کی سعادت طریق مجددیہ کی بھی پاؤں اور خون لگا کر شہیدوں میں شامل ہو جاؤں اپنی بے بضاعتی پر نظر کر کے احیاء سنت اور خدمت طریق مجددیہ کی یہی صورت بہتر، محفوظ تر اور مفید ترین نظر آئی کہ ارشاد الطالبین (جو فارسی زبان میں ہے اور فارسی سے بیگانگی عام ہے) کا اردو ترجمہ بے جھجک اخوان نقشبندیہ مجددیہ کی خدمت میں بہ طور خاص پیش کر دیا جائے:۔

عطائے تو بہ لقائے تو

اپنا اس میں کچھ بھی نہیں، صرف سلیس و صحیح ترجمہ کی حقیر کوشش ہے یا پھر چند حواشی، اور یہ بھی توفیق ربانی کا محض صدقہ ہے!

ارشاد الطالبین کا ایک اردو ترجمہ بمبئی کا چھپا ہوا نظر سے گذرا تھا، مگر افسوس کہ غلطیوں سے بھرپور اور بعض مقامات پر تو ترجمہ اصل کے بالکل برعکس بھی ــــ اس سے اپنے دل کو اور بھی عبرت حاصل ہوئی اور بڑے حزم و احتیاط سے راقم نے کوشش کی ہے کہ ترجمہ سلیس اور رواں بھی رہے اور اصل سے

مطابقت بھی پوری طرح قائم ہے۔ مترجم اپنی اس کوشش میں کہاں تک کامیاب رہا یہ ارباب نظر ہی بتا سکیں گے۔

اس رسالہ کے دو تہائی حصہ کا تقریباً چار سال قبل ترجمہ کر چکا تھا، باقی حصہ اور تصنیفی مشاغل کی وجہ سے ویسا کا ویسا ہی رہ گیا تھا، مہینہ بھر پہلے اس کی تکمیل کی ترغیب میرے محب صادق و مکرم لطیف اللہ صاحب زاد توفیقہٗ (استاد الادب اردو، گورنمنٹ کالج ناظم آباد) نے کی اور محرک بن کر خود اس کام کے گرفتار بن گئے

ع خود بخود آزاد بودی خود گرفتاری آمدی

ان کی اعانت سے یہ کام انجام کو پہنچ گیا اللہ تعالیٰ انھیں تمام سلاسل کے فیوض سے بہرہ ور فرمائے۔ ترجمہ و ترجمانی کی ذمہ داری اول سے آخر تک بہر نوع راقم الحروف کے کندھوں پر ہے۔

اس ترجمہ میں میرے پیش نظر ارشاد الطالبین کا وہ نسخہ ہے جس کو حکیم عبدالمجید سیفی مجددی مرحوم نے بڑی محبت اور بڑے اہتمام سے (ایبٹن روڈ۔ لاہور سے) شائع فرمایا تھا اور شفقت مجسم حضرت مولانا محمد ہاشم مجددی (المعروف بہ پیر ہاشم جان جو حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہٗ کی اولاد میں سے تھے) نے راقم الحروف کو ہدیۃً عطا فرمایا تھا رحمۃ اللہ علیہ۔۔۔۔۔ جہاں تک عنوانات کا تعلق ہے، ابواب اور فصول کے علاوہ ذیلی سرخیاں مترجم کی طرف سے ہیں جن کی افادیت قارئین خود محسوس فرمائیں گے۔

بارگاہ شکوریت میں عاجزانہ دعا ہے کہ یہ ادنیٰ خدمت مشکور ٹھہرے اور ابنائے ملت میں اس کے ذریعہ فکر آخرت، اصلاح عقائد و اعمال، اخلاص فی الدین اور حصول نسبت مع اللہ کا ذوق و شوق پیدا ہو جائے۔ والامر بید اللہ۔

الفقیر الی اللہ الصمد
غلام محمد کان اللہ لہٗ

کراچی ۱۵ر اکتوبر ۱۹۸۲ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارفِ مؤلف

(از حضرت شاہ غلام علی دہلوی قدس سرہٗ)

حضرت مولانا قاضی محمد ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت میرزا مظہر جان جاناں شہید قدس سرہٗ الحمید کے اشرف واولین خلیفہ ہیں، آپ حضرت شیخ جلال کبیر الاولیاء پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے ہیں اور حضرت شیخ جلال کا شجرہ نسب بارہ واسطوں سے جناب امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے، آپ علمائے ربانی اور بارگاہِ یزدانی کے مقرب ہیں عقلی اور نقلی علوم میں کامل تبحر رکھتے ہیں۔ فقہ اور اصول میں اجتہاد کے مرتبہ کو پہنچے ہوئے ہیں آپ نے ایک مبسوط کتاب علم فقہ میں تالیف فرمائی ہے جس میں ہر مسئلہ کے ماخذ، اس کے دلائل اور چاروں مذاہب (فقہ) کے مجتہدوں کا مسلک بیان فرمایا ہے، اور جو پہلو خود آپ کے نزدیک قوی ترین ثابت رہا، اُس کو مَاخذ الاقویٰ نامی رسالہ میں الگ تحریر فرمایا۔ اس میں در اصل اپنے مختارات لکھے ہیں، اور تفسیر مظہری بڑی تقطیع کی سات جلدوں میں تحریر فرمائی جس میں قدیم مفسرین کے جامع اقوال اور نئی تاویلات جو مبدأ فیاض (حق تعالیٰ شانہٗ) کے طرف سے آپ کے لطیفۂ روحانی پر وارد ہوئیں ارقام فرمائیں ہیں، اس کے علاوہ فن تصوف اور حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے معارف

کی تحقیق (و تشریح) میں رسائل لکھے ہیں۔ آپ کے ذہن کی نورانیت، طبیعت کی جودت، فکر کی قوت اور عقل (و فہم) کی سلامتی بیان سے باہر ہے۔

آپ نے طریقہ (مجددیہ) شیخ الشیوخ حضرت محمد عابد قدس سرہٗ سے حاصل کیا اور اُن کی توجہات سے فنائے قلبی تک پہنچے۔ پھر آں جناب کے حکم کے ماتحت جناب حضرت میرزا مظہر جان جاناں شہید قدس سرہ المجید کی خدمت میں رجوع ہوئے اور اُن کے کمال حُسنِ تربیت سے تمام مقامات مجددیہ پر فائز ہو گئے اور (شیخ کی) پچاس توجہات میں اس طریقہ (نقشبندیہ مجددیہ) کا پورا سلوک طے فرمایا۔

آپ کی عمر اٹھارہ برس کی تھی کہ آپ علم ظاہری کی تکمیل کر کے اور طریقہ (باطنی) میں خلافت پا کر علم کی اشاعت اور باطنی فیض رسانی میں مشغول ہو گئے اور حضرت شیخ مظہر جان جاناں شہید قدس سرہٗ کی زبان سے علم الہدیٰ کے لقب سے سرفراز ہوئے۔

آپ نے بچپن میں اپنے دادا حضرت شیخ جلال رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ آپ کے حال پر نہایت شفقت فرماتے ہوئے اپنی مبارک پیشانی آپ کی پیشانی پر رگڑ رہے ہیں۔

حضرت میرزا مظہر جان جاناں شہید قدس سرہ المجید آپ کی تعریف و توصیف بہت فرمایا کرتے تھے۔ ارشاد فرماتے تھے کہ ان کی نسبت (باطنی) فقیر کی نسبت (باطنی) کے ساتھ بلندی میں مساوی ہے مگر وسعت و قوت میں فرق باکمال رکھتی ہے۔ یہ فقیر کے "ضمنی" ہیں اور فقیر حضرت شیخ (سید نور محمد بدایونی") کا "ضمنی" ہے جو فیض بھی کہ اس فقیر تک پہنچا ہے۔ یہ اس میں شریک ہیں۔ اُن کا بُرا بھلا اس فقیر کا بُرا بھلا ہے۔ اُن کے ظاہری و باطنی کمالات کس قدر

اجتماع کے سبب) وہ موجودات میں نادر ہیں۔
فقیر (شاہ غلام علیؒ) کے دل پر آپ کی عظمت چھائی ہوئی ہے۔ آپ صلاح و تقویٰ اور دیانت کے اعتبار سے مجسم روح ہیں، شریعت کی ترویج کرنے والے اور طریقت کو روشن کرنے والے ہیں، ایسے فرشتہ صفت ہیں کہ ملائکہ آپ کی تعظیم کرتے ہیں فقیر نے حضرت شیخ (میرزا مظہر جان جاناںؒ) کو یہ فرماتے سنا ہے

"اگر خدائے تعالیٰ قیامت کے دن بندہ سے پوچھے کہ ہماری بارگاہ میں کیا تحفہ لائے ہو؟ عرض کروں گا کہ ثناء اللہ پانی پتی کو (لایا ہوں)"

ایک روز یہ فقیر حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر تھا اور ذکر و مراقبہ کا حلقہ منعقد ہو چکا تھا کہ آپ (قاضی ثناء اللہ) آگئے، حضرت نے آپ سے فرمایا "تم کونسا عمل کرتے ہو کہ فرشتے از راہ تعظیم تمہارے لئے جگہ خالی کرتے ہیں"۔
حقیقت یہ ہے کہ میں نے حضرت (میرزا جان جاناںؒ) کے کامل ترین اصحاب کو دیکھا ہے۔ طریقۂ مجددیہ کے وہ تمام فیوض جو آپ کی ذات میں جمع ہیں کسی ایک میں بھی نہ پائے، گو صاحبانِ قلب کے ادراک کی رسائی اُن احوال تک نہیں پس میں کہتا ہوں کہ اس فقیر کے اعتقاد میں اِن کمالات اور خاص مجددی نسبت کی بلندی کے اعتبار سے اس دور میں آپ کا مثل کوئی نہیں ہے۔
حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے دوسرے معاصر علماء آپ کو "بیہقی وقت" کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ آپ ساری عمر ظاہری و باطنی فیض رسانی اور علوم کی اشاعت اور فصلِ خصومات اور سوالات کے فتووں اور مشکل پیچیدہ مسائل کے حل میں مصروف رہے۔ آپ کی تصنیفات تیس ۳۰ سے زائد ہیں۔ آپ کی وفات ماہ رجب ۱۲۲۵ھ میں ہے۔ فھم مکرمون فی جنّت النعیم میں آپ کی تاریخ رحلت نکلتی ہے
تمت

دیباچۂ مؤلفِ گرامی
(سببِ تالیف)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ رب العالمین ○ الرحمٰن الرحیم ○ مالک یوم الدین ○ ایاک نعبد و ایاک نستعین ○ اھدنا الصراط المستقیم ○ صراط الذین انعمت علیھم ۵ غیر المغضوب علیھم ولا الضآلین ○ آمین ○ اللّٰھم صل علیٰ محمد وعلیٰ اٰل محمد کما صلیت علیٰ ابراھیم وعلیٰ اٰل ابراھیم انک حمیدٌ مجید ۵ اللّٰھم بارک علیٰ محمد وعلیٰ اٰل محمد کما بارکت علیٰ ابراھیم وعلیٰ اٰل ابراھیم انک حمیدٌ مجیدٌ وسلامٌ علیٰ الیاسین والحمد للہ رب العٰلمین ۵ اللّٰھم انی اسئلک ما سئلک نبی الرحمۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم و اعوذبک مما استعاذبک نبیک النبی الامی صلی اللہ علیہ وسلم اللّٰھم اشرح لی صدری و یسرلی امری واحلل عقدۃ من لسانی یفقھوا قولی انت حسبی ونعم الوکیل نعم المولیٰ ونعم النصیرۃ

حمد وصلوٰۃ کے بعد فقیر حقیر محمد ثناء اللہ جس کا وطن پانی پت، نسب عثمانی مذہب حنفی اور مشرب نقشبندی مجددی ہے عرض کرتا ہے کہ چونکہ لوگوں کے خیالات میں نے مختلف پائے ہیں (مثلاً) ان میں سے بعض تو ولایت کے منکر ہیں اور بعضے یوں کہتے ہیں کہ اولیاء تھے تو سہی مگر اس خراب دور میں کوئی نہیں

اور بعضے (ایسے ہیں کہ) اولیاء کے لئے عصمت اور علم غیب ضروری تصور کرتے ہیں اور یہ مانتے ہیں کہ اولیا جو کچھ چاہتے ہیں وہی ہوتا ہے اور جو وہ نہیں چاہتے وہ نہیں ہوتا اور اسی عقیدہ کی بنا پر اولیاء کی قبروں سے اپنی مرادیں طلب کرتے ہیں اور جب زندہ اولیاء اللہ اور مقربانِ بارگاہ (الٰہی) میں یہ صفت نہیں پاتے تو اُن کی ولایت کا انکار کر دیتے ہیں اور ان کے فیوض سے محروم رہ جاتے ہیں ان میں کے بعض (ایسے ہیں جو) ایسے احمقوں اور جاہلوں سے بیعت ہو جاتے ہیں جو اسلام اور کفر تک میں فرق نہیں کرتے اور ان (مختلف رائے رکھنے والوں) میں کے بعض وہ ہیں جو اُن (اولیاء) کے سُکر کے اُن کلمات کی بنا پر جن کے ظاہری (لفظی) معنی ہرگز مراد نہیں ہوتے اولیاء اللہ پر نکیر کرتے ہیں بلکہ ان کی تکفیر (تک) کرتے ہیں اور بعضے ان سُکر کے کلمات کے ظاہری معنی مراد لے کر اسی پر اعتقاد رکھتے ان صحیح عقائد کو جو قرآن، حدیث اور اجماع امت سے ثابت ہیں اپنے ہاتھ سے دے بیٹھتے ہیں اور بعضے علوم ظاہری پر اکتفا کر کے طریقت کی طلب (و جستجو) سے فارغ ہو بیٹھتے ہیں اور ان میں کے بعض اولیاء کے آداب (و تعظیم) اور ان کے حقوق (کی بجا آوری) میں کوتاہی کرتے ہیں اور بعضے (اس درجہ غلو کرتے ہیں کہ) اولیاء کی پرستش کرتے ہیں اور ان کی نذر مانتے ہیں اور خانہ کعبہ کی طرح ان کی قبروں کا طواف کرتے ہیں

لہٰذا

(ان باتوں کو دیکھتے ہوئے) میرا جی چاہا کہ ایک ایسی مختصر کتاب لکھوں کہ لوگوں کو حالات کی حقیقت معلوم ہو جائے اور افراط، تفریط اور تقصیر (کوتاہی) سے باز رہیں اس سلسلہ میں میں نے ایک کتاب "ارشاد الطالبین" کے نام سے لکھی تھی مگر (جب) بعض احباب نے یہ کہا کہ فارسی میں بھی کوئی چیز لکھی جانی چاہیئے

تاکہ اُس سے فارسی پڑھنے والے فائدہ اُٹھا سکیں اس لئے یہ رسالہ فارسی زبان میں لکھا گیا ہے۔

یہ رسالہ پانچ "مقام" (باب) پر تقسیم کیا گیا ہے :۔

پہلا مقام ۔ ولایت کے ثبوت اور اس سے متعلقہ بحث میں

دوسرا مقام ۔ اُن آداب کے بیان میں جو ناقصوں اور مریدوں کے پیش نظر رہنے چاہئیں

تیسرا مقام ۔ مرشدوں کے آداب کے بیان میں

چوتھا مقام ۔ ترقی (روحانی) اور ولایت کے حصول کے آداب میں

پانچواں مقام ۔ قربِ الٰہی کے درجات تک پہنچنے اور (دوسروں کو) پہنچانے کے بیان میں

تمت

پہلا باب

ولایت کے ثبوت اور اس سے متعلقہ بحث میں

فصل۔ ولایت کے ثبوت میں

(اے عزیز) اللہ تعالیٰ تجھ کو سعادت بخشے (یہ بات) سمجھ لے کہ جس طرح انسان کے اندر (کچھ) کمالات ظاہری (نوعیت کے) ہیں جیسے قرآن، حدیث اور اہل سنت والجماعت کے اجماع کے مطابق صحیح عقیدوں کا رکھنا، اعمالِ صالحہ مثلاً فرائض، واجبات، سنن اور مستحبات کی ادائی اور حرام، مکروہ اور مشتبہ باتوں اور بدعتوں سے پرہیز اسی طرح انسان میں کچھ اور باطنی کمالات بھی ہیں۔ صحیح بخاری اور مسلم میں حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اجنبی شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اس نے عرض کیا کہ (یا رسول اللہ) اسلام سے کیا مراد ہے؟ ارشاد فرمایا کہ کلمۂ شہادت (کا اقرار) نماز (کی پابندی) زکوٰۃ (کی ادائی) رمضان کے روزے اور قدرت ہونے پر حج (کا کرنا) (اس اجنبی نے یہ ارشاد سن کر) کہا کہ آپ نے درست فرمایا۔ اس پر ہم کو (یعنی صحابہؓ کو) حیرت ہوئی کہ (یہ شخص) پوچھتا بھی ہے اور تصدیق بھی کرتا ہے۔ اس کے بعد (اس شخص نے) ایمان کے بارے میں پوچھا (آپ نے) ارشاد فرمایا کہ اسکے معنی یہ ہیں کہ تو یقین رکھے اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے

رسولوں اور قیامت پر نیز یہ کہ تمام خیر و شر اللہ کی طرف سے مقرر ہے (اس نے) کہا کہ آپؐ سچ فرماتے ہیں، پھر پوچھا کہ "احسان" کیا چیز ہے؟ ارشادؐ فرمایا (احسان اس کا نام ہے) کہ تو خدا کی عبادت اس طرح کرے گویا اس کو دیکھ رہا ہے اور اگر تو اس کو دیکھ نہیں رہا ہے تو تو (یہ تو) جانتا ہی ہے کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے اس کے بعد (اس نے) قیامت کے بارے میں (کہ کب واقع ہوگی) سوال کیا (آپؐ نے) ارشاد فرمایا میں تجھ سے زیادہ نہیں جانتا، پھر (اس نے) قیامت کی علامتیں پوچھیں تو آپؐ نے چند بتلادیں اور اس کے بعد ارشاد فرمایا (صحابہؓ سے) کہ یہ جبریل تھے، تم کو دین سکھلانے کے لئے آئے تھے۔

اِس حدیث سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ عقائد اور اعمال کے علاوہ ایک اور کمال ہے جس کا نام "احسان" ہے۔ اِسی کا (دوسرا) نام ولایت پڑ گیا۔ صوفی پر جب اللہ کی محبت چھا جاتی ہے جس کو اصطلاح میں "فنائے قلب" کہتے ہیں تو اس کا دل محبوب حقیقی تعؐ کے مشاہدہ میں ڈوب جاتا اور ہلاک ہو جاتا ہے اور اس کے سوا کسی اور کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ اس حالت میں (پہنچ کر) وہ خدا کو تو دیکھتا نہیں کیونکہ دنیا میں دیدارِ الٰہی محال ہے مگر صوفی کو اس وقت ایک ایسی حالت (ضرور حاصل) ہے کہ گویا وہ خدا کو دیکھ رہا ہے۔ (حالانکہ) اُس حالت (کے طاری ہونے) سے قبل صوفی خود کو بہ تکلف اُس حالت پر بھی رکھ سکتا تھا جس کے متعلق رسول کریم (علیہ الصلوٰۃ والتسلیم) نے مطلع فرمایا تھا کہ "خدا تجھ کو دیکھ رہا ہے"۔ لہ

لہ یعنی "خدا کا دیکھنا" جو ہر مسلمان کا عقیدہ ہے یا تو مسلمان کے لئے اس عقیدہ کا استحضار شکل تھا یا مرتبہ احسان پر پہنچ کر اس کی یہ حالت ہو جاتی کہ گویا وہ خدا کو دیکھ رہا ہے!

(اس کی) دوسری دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ انسان کے جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے اگر وہ پاک ہے تو سارا بدن پاک ہو جاتا ہے اور اگر وہ بگڑ جاتا ہے تو سارا بدن بگڑ جاتا ہے اور وہ "دل" ہے اور بلاشبہ دل کی وہ پاکی (صالحیت) جو بدن کی صالحیت کا سبب بن سکے، اسی کو صوفیاء "فنائے قلب" کہتے ہیں۔ جب (دل) محبت الٰہی میں فنا ہو جاتا ہے اور نفس اس (دل) کا ہمسایہ ہونے کی وجہ سے اس سے متاثر ہو کر اپنی آمادگی سے باز آجاتا ہے اور خدا کی خاطر محبت کرنا اور خدا کی خاطر بغض رکھنا سیکھ لیتا ہے (تو) لامحالہ تمام بدن شریعت (الٰہیہ) کا فرمانبردار ہو جاتا ہے اگر کوئی کہے کہ قلب کی اصلاح ایمان واعمال کے سوا کسی اور چیز سے نہیں تو ہم اس سے یہ کہیں گے کہ حدیث شریف میں قلب کی اصلاح کو بدن کی اصلاح کا سبب بتلایا گیا ہے اور بدن کی اصلاح، اعمال صالحہ سے عبارت ہے، لہٰذا قلبی صلاح سے مراد اگر مجرد ایمان لیا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ مجرد ایمان تو بدنی صلاح (واصلاح) کے بغیر بھی باقی رہتا ہے اور اگر ایمان اور اعمال کو ملا کر قلبی صلاح کہا جائے تو (اس صورت میں) اس (دل) کو بدنی صلاح کا سبب قرار دینا صحیح نہ ہوگا (جو حدیث شریف کے خلاف ہے)

تیسری دلیل یہ کہ اس بات پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ صحابہ (کرام) غیر صحابہ سے افضل ہیں اور (حالانکہ علم اور عمل میں غیر صحابہ، صحابہ کے ساتھ شریک ہیں لیکن اس کے باوجود رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی اور اللہ کی راہ میں کوہِ احد کے برابر بھی سونا خرچ کرے تو وہ اس نصف صاع جو کے برابر بھی نہیں ہو سکتا جو صحابہ نے راہِ خدا میں خرچ کئے۔ پس اس کا سبب بجز اس باطنی (قلبی) کمال کے اور کچھ نہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم (کے شرف) صحبت کی وجہ سے ان کا باطن

(قلب) قلب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے نورانی بن چکا تھا ــــــ امت (محمدیہ) کے اولیاء کو یہ دولت اگر ملی ہے تو وہ اپنے مرشدوں کی صحبت سے ملی ہے اور ان ہی کے واسطے سے وہ قلب نبوی کے انوار سے منور ہوئے ہیں اور اس (بہ واسطہ) صحبت اور اس (بلا واسطہ) صحبت میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے پس معلوم ہوا کہ ظاہری کمالات کے علاوہ ایک کمال، کمال باطنی ہے اور اس کے بے انتہا درجات ہیں، چنانچہ حدیث قدسی سے اس کی تائید ملتی ہے وہ یہ کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو مجھ سے ایک بالشت قریب ہونا چاہتا ہے میں اس سے ایک ہاتھ قریب ہو جاتا ہوں، اور جو شخص مجھ سے ایک ہاتھ قریب ہونا چاہتا ہے میں اس سے ایک باع (دونوں ہاتھ کھولنے کے برابر فاصلہ) قریب ہوتا ہوں اور فرمایا کہ بندہ ہمیشہ میرا قرب نفلی عبادتوں کے ذریعہ حاصل کرتا ہے یہاں تک کہ اس کو اپنا دوست بنالیتا ہوں اور جب میں اس کو اپنا دوست بنالیتا ہوں تو اس کی آنکھ، کان اور اس کی قوت بن جاتا ہوں۔

چوتھی دلیل یہ ہے کہ (اہل دین کی) ایک بہت بڑی جماعت جس کا (کسی) جھوٹ (بات) پر جمع ہونا عقلاً محال ہے اور وہ جماعت ایسی ہے کہ اس کا ایک ایک فرد اپنے تقویٰ اور علم کی وجہ سے اس شان کا حامل ہے کہ اس پر جھوٹ کی تہمت باندھی نہیں جاسکتی (وہ اہل جماعت) قلم کی زبان سے (یعنی تحریراً) اور زبان کے قلم سے (یعنی قولاً) یہ شہادت دیتے ہیں کہ ہم کو مشائخین کی صحبت کی وجہ سے کہ جن کی صحبت کا سلسلہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے، ہمارے باطن قلب میں ایک ایسی حالت (کیفیت) ظاہر ہوئی ہے جو ان عقائد اور (علم) فقہ سے الگ ہے جو ہمارے (دماغ کے) اندر ان (مشائخین) کی صحبت سے قبل بھی موجود تھے اور یہ حالت جو (اب) حاصل ہوئی ہے اس کی وجہ سے خدا کی محبت

خدا کے دوستوں کی محبت اور نیک اعمال اور نیکی کی توفیقات اور سچے اعتقادات میں رسوخ زندہ ہو گیا ہے اور یہ حالت کہ جو واقعی کمال ہے اور تمام کمالات کی بنیاد ہے۔

پانچویں دلیل خرق عادات (کمالات) ہیں اور یہ دلیل کمزور ہے مگر اتنا ضرور ہے کہ تقوے سے ملکر (یعنی تقوے کی بنیاد پر ہونے کی وجہ سے) یہ جادو سے ممتاز چیز ہے اور کمال پر دلالت کرتی ہے۔ واللہ اعلم۔

فصل۔ ولایت کی تحقیق میں کہ وہ کیا ہے؟

(اے عزیز) اللہ تعالیٰ تجھے ہدایت عطا فرمائے (یہ بات) سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے قریب ہے جیسا کہ اس کا ارشاد ہے نحن اقرب الیه من حبل الورید ہم بندے سے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ نزدیک ہیں، و هو معکم اینما کنتم تم جہاں کہیں بھی ہو حق تعالیٰ تمھارے ساتھ ہیں (یہ ارشادات اُسی (قرب) پر دلالت کرتے ہیں۔ اور ایک قرب ہے جو انسانوں کے خواص اور (تمام) فرشتوں کے ساتھ خاص ہے (جیسا کہ) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے واسجد واقترب یعنی سجدہ کر اور خدا سے قریب ہوجا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے لایزال عبدی یتقرب الیّ بالنوافل حتیٰ احبتہٗ میرا بندہ ہمیشہ مجھ سے قریب ہوتا ہے نوافل کی (کثرت) وجہ سے یہاں تک کہ میں اس کو اپنا دوست بنا لیتا ہوں (یہ اقوال) اس (قرب خاص) پر دلالت کرتے ہیں۔ اسی دوسرے قرب کو ولایت سے تعبیر کرتے ہیں۔

اس قرب کے ابتدائی مرتبے محض ایمان سے حاصل ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے الله ولی المومنین یعنی اللہ مسلمانوں کا دوست ہے لیکن معتبر

صرف وہی قرب ہے جس کو ولایت خاصہ سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہی (مرتبہ) مرتبۂ محبوبیت ہے جس کا ذکر حدیث قدسی میں ہے کہ لایزال عبدی یتقرب الیَّ بالنوافل حتیٰ احببتُہٗ اور اس (مرتبہ) کے مقامات اور مدارج بے شمار ہیں (اور) جس طرح حق تعالیٰ سبحانہ کی ذات بے کیف ہے لیس کمثلہٖ شئی فی الذات ولا فی الصفات ولا فی شئی من الاعتبارات یعنی اللہ تعالیٰ کی مثل کوئی شئی نہ اُس کی ذات میں ہے نہ صفات میں نہ اعتبارات میں، اسی طرح یہ (مذکورہ بالا) دونوں طرح کا قرب بھی جو (دراصل) خالق اور خلق کے درمیان تعلق (ونسبت) کا نام ہے، بے کیفیت ہے زمانی یا مکانی یا دوسری نوعیت کے قرب کی طرح نہیں نہ ذات میں نہ عرض میں، اس قرب کی حقیقت عقل وحواس سے معلوم نہیں ہو سکتی، اگر معلوم ہو سکتی ہے تو کسی ایسے وہبی علم ہی سے معلوم ہو سکتی ہے جو علم حضوری سے مناسبت رکھتا ہو۔ اور یہ دو (نوعیت کے) قرب ہمارے لئے اس درجہ قطعی طور پر ثابت ہیں کہ ان پر ایمان رکھنا واجب ہے (بالکل اسی طرح) جس طرح خدا کے دیدار پر کہ رائی (دیکھنے والا) اور مرئی (جسکو دیکھے) کے ایک دوسرے کے سامنے یا کسی سمت میں ہوئے بغیر (محض) قطعی نصوص سے ثابت ہے نہ کہ عقل سے!

سوال: ولایت (جب) نام ہے ایک ایسی بے کیف نسبت کا جو بندہ اور خدا کے درمیان قائم ہے تو اس کو لفظ "قرب" سے کیوں موسوم کیا جاتا ہے؟

جواب: یہ مقدمہ موقوف ہے دو ابتدائی مقدموں پر۔ پہلا مقدمہ تو یہ کہ کشف اور رویا (خواب) دونوں کی حقیقت یہ ہے کہ خیال کے آئینہ میں (کوئی) مثالی صورت کھچ آتی ہے خواہ خواب میں، ہو یا بیداری میں اور (یہ بھی ہے کہ) خیال کا آئینہ جس قدر صاف ہو گا اسی قدر کشف اور رویا بھی پاکیزہ اور صحیح ہو گا یہی وجہ

ہے کہ پیغمبروں کا خواب قطعی وحی (ہی) ہے کیونکہ ایک تو وہ معصوم ہیں اور (پھر) ان کے خیالات نہایت پاکیزہ اوران کا باطن (قلب) تو اور بھی زیادہ پاکیزہ ہے۔ اور اولیاء کے رویاء غالباً سچے اور صحیح (ہوتے ہیں کیونکہ بواسطہ یا بہ واسطہ پیغمبر کی صحبت کی دولت اور اتباع شریعت کی وجہ سے خیالات کی پاکیزگی اور باطن کا جلا حاصل کئے ہوئے ہیں۔ مولوی روم فرماتے ہیں لے

آں خیالاتے کہ دام اولیاءست　　عکس مہرویانِ بستانِ خداست

یعنی چونکہ اولیاء کے قلب ذاتی نہیں بلکہ فرعی آئینہ کی حیثیت رکھتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ (ان کو یہ صفائی اور جلاء) انبیاء کی متابعت سے حاصل ہوتی ہے اس لئے کبھی (ایسا ہوتا ہے کہ) ان کے خیال کا آئینہ اصلی ظلمت کے ظاہر ہونے سے مکدر ہو جاتا ہے، پس (ایسی حالت میں) کشف اور رویاء میں غلطی واقع ہو جاتی ہے اور کبھی یہ تکدر حرام یا مشتبہ چیز کے ارتکاب سے یا اعتدالی حد سے تجاوز کی وجہ سے یا عوام کے اختلاط (زیادہ میل جول) اور ان کے (قلوب کی تاریکی کا) عکس پڑنے کی وجہ سے بھی پیدا ہوتا ہے ۲ (اسی لئے) عوام کے خواب اُن کے باطن کی ظلمت کے سبب اکثر جھوٹے ہی ہوتے ہیں۔

دوسرا مقدمہ یہ کہ عالم مثال میں ذات واجب (تعالیٰ شانہٗ) سے لے کر ذات ممکن (یعنی حادث مراد انسان) ہر چیز کی مثال (یعنی مثالی صورت) ہے گو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات اپنا مثل نہیں رکھتیں۔ "مثل" اس چیز کو کہتے ہیں جو اصل چیز کی طرح ہو اور اصل کی ساری صفات سے متصف ہو اور یہ مثلیت اللہ کی ذات اور صفات میں محال ہے (اس کے) برخلاف "مثال" کے کہ "مثلاً" بادشاہ کی مثال آفتاب سے دیتے ہیں (یا مثلاً) حق تعالیٰ نے اپنے نور کی مثال خود بیان فرمائی ہے مثل نورہٖ کمشکوٰۃٍ فیہا مصباحٌ یعنی نورِ الٰہی مومن کے

دل میں ایسا ہی ہے جیسے چراغدان میں چراغ (اور) اس کے تمام اوصاف بیان فرمائے ہیں اور حدیث میں خدا تعالیٰ کی مثال بیان فرمائی گئی ہے سیّدٌ بَنیٰ دَارًا وَجَعَلَ فِیھَا مَادُبَةً (حدیث[1]) پس حق تعالیٰ کو خواب میں دیکھنا درست ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اور یوسف علیہ السلام نے قحط کے سالوں کو دبلی گایوں اور ارزانی کے سالوں کو موٹی تازی گایوں اور گیہوں کے خوشوں کی صورت میں دیکھا اور صحیح بخاری میں آیا ہے کہ خدا کے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ لوگ میرے پاس آرہے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کرتا پہنے ہوئے ہے (مگر) کسی کا صرف پستان تک ہے اور کسی کا اس سے نیچے تک اور عمرؓ میرے سامنے سے (اس طرح) گذرے کہ ان کا کرتا زمین پر گھسیٹتا ہوا جا رہا تھا۔ لوگوں نے اس خواب کی تعبیر پوچھی تو (آپؐ نے (ارشاد فرمایا کہ (عمرؓ کے اس قدر لانبے کرتے سے) مراد علم ہے۔ ان احادیث اور آیات سے معلوم ہوا کہ جو چیز بے مثل ہو اور مادی (بھی) نہ ہو اس کا خواب میں دیکھنا یا نظر کشف سے اس کو دیکھنا (بالکل) ممکن ہے۔

جب تم نے یہ دونوں مقدمات سمجھ لئے تو اب یقین کرلو کہ وہ بے کیف نسبت جسکو "ولایت" کہتے ہیں کبھی کبھار نظر کشف میں جسمانی قرب کی صورت میں متمثل ہوتی ہے اور جتنا زیادہ اس قرب میں ترقی ہوتی ہے کشفی نگاہ میں یوں دکھائی دیتا ہے گویا میں ذات باری تعالیٰ کی سمت سیر کر رہا ہوں یا اس کی ایک صفت سے دوسری صفت کی طرف جا رہا ہوں، اسی مثالی صورت (کی بنا) پر اس نسبت کو اللہ تعالیٰ کے قرب سے اور اس کی ترقی کو سیر الی اللہ (اللہ کی طرف سیر)

---

[1] ترجمہ حدیث: سردار نے مکان بنایا اور اس میں دسترخوان چنا۔

اور سیر فی اللہ (اللہ کے اندر سیر) اور سیر من اللہ اللہ کی طرف سے سیر اور سیر باللہ (اللہ کے ساتھ سیر) کہا جاتا ہے۔ واللہ اعلم

فنا کے بعد رجعت نہیں

مسئلہ: صوفیہ کے نزدیک فنا (حاصل ہو جانے) کے بعد پھر رجوع (یعنی نفسانی حالت کی طرف لوٹنا) ناممکن ہے جو کوئی (اچھی حالت سے بری حالت کی طرف) لوٹتا ہے وہ درجۂ فنا (حاصل ہونے) سے قبل لوٹتا ہے فقیر اس مسئلہ پر حق تعالیٰ کے اس ارشاد سے) استدلال کرتا ہے۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ إِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ الرَّحِيمٌ ٥ یعنی حق تعالیٰ تمہارا ایمان ضائع نہیں فرماتا ہے وہ ذات پاک بندوں پر بڑی مہربان ہے اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ علم کو اپنے بندوں سے علم کو چھین نہیں لیتے بلکہ علم کو اٹھا لینے کی صورت یہ فرمائیں گے کہ علماء کو (اس دنیا سے) اٹھا لیں گے اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حق تعالیٰ ایمان حقیقی اور علم باطنی کو بھی (کسی بندہ سے) چھین نہیں گے۔

ولایت بغیر تقویٰ نہیں ملتی

مسئلہ: تقوے کا کمال (حصول) ولایت کے بغیر حاصل نہیں ہوتا[1] اور اکتسابی پہلو سے یہ بھی ہے کہ) جب تک نفس کے رذائل جیسے حسد، کینہ، غرور، ریا اور غیبت وغیرہ پوری طرح زائل نہ ہو جائیں تقوے کا کمال حاصل نہیں ہوتا اور یہ فنائے نفس پر منحصر ہے اور جب تک کہ حق تعالیٰ کی محبوبیت ہر غیر پر غالب نہ آجائے بلکہ غیر کی محبت کے لئے ادنیٰ گنجائش بھی باقی نہ رہ جائے ایمان اور تقویٰ کا کمال حاصل نہیں ہو سکتا اور یہ بات فنائے قلب سے متعلق ہے جس کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صلاح قلب سے تعبیر فرمایا

---

[1] اور ولایت کا منصب ایک عطائے ربانی ہے اس کا طریق البتہ اکتسابی ہے۔ اسی لئے دوسرے جملہ میں فرمایا کہ تقویٰ نفس کے رذائل کو دور کئے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔

ہے، صحیحین (یعنی بخاری و مسلم) میں ہے حضرت انس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم سے کوئی شخص اس وقت تک مومن (کامل) نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے والد اس کی اولاد اور تمام انسان سے محبوب تر نہ ہو جاؤں ۔ دوسرے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تین شخص ایمان کی حلاوت (ولذت) پاتے ہیں ایک تو وہ جس کے نزدیک خدا اور رسول تمام دوسری چیزوں سے محبوب تر ہوں اور دوسرا وہ جو کسی سے محبت رکھے تو محض اللہ کی خاطر محبت رکھے اور تیسرا وہ جس کے لئے (ایمان سے نکل کر) کفر میں جانا دوزخ میں جانے سے زیادہ ناگوار ہو یعنی لوگ تو دوزخ کے ڈر سے ایمان لاتے ہیں اور عبادت کرتے ہیں اور یہ شخص کفر کو دوزخ سے بھی زیادہ برا جانتا ہے یعنی (یہ شخص) خدا کی عبادت نہ دوزخ کے ڈر سے کرتا ہے نہ جنت کی لالچ میں بلکہ محض خدا کی محبت کی بنا پر کرتا ہے ۔

رابعہ بصریہ نے ایک ہاتھ میں پانی لیا اور ایک ہاتھ میں آگ (اور چلیں)، لوگوں نے پوچھا کہ آپ کہاں جا رہی ہیں ؟ فرمایا کہ جا رہی ہوں تاکہ دوزخ کی آگ بجھا دوں اور جنت کو جلا دوں تاکہ لوگ دوزخ کے ڈر اور جنت کی لالچ سے عبادت کرنا چھوڑ دیں ۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اکرموا اصحابی یعنی میرے صحابی کی عزت کرو ۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ یعنی تم میں سے زیادہ معزز وہ شخص ہے جو زیادہ متقی ہے اور اس بات پر امت کا اجماع قائم ہو چکا ہے کہ صحابہؓ کرام مخلوق میں سب سے زیادہ معزز اور سب سے زیادہ متقی ہیں اور فضیلت ان کو اس لئے ملی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف صحبت کی وجہ سے وہ مقام ولایت میں سب پر سبقت لے جا چکے ہیں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِیْنَ وَالْاَ نْصَارِ یعنی یہ لوگ سبقت یافتہ ہیں ایمان لانے میں بھی اور ہجرت کرنے میں بھی اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَالسَّابِقُوْنَ السَّابِقُوْنَ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ یعنی ایمان میں سبقت لے جانے والے قرب الٰہی میں سبقت لے جانے والے ہیں اور وہ تمام کے تمام (اللہ کے) مقرب ہیں۔

اولیاء کو ثواب زیادہ ملتا ہے مسئلہ: اولیاء کی عبادتوں کا ثواب اوروں سے زیادہ ہوتا ہے ـــــــ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں کا کوئی کوہ احد کے برابر سونا خدا کی راہ میں خرچ کرے تو وہ میرے صحابہؓ کے (راہ خدا میں دیے ہوئے) ایک سیر یا آدھ سیر جو کے برابر نہیں ہو سکتا یہ حدیث صحیحین میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اور اس ارشاد نبوی کا بھید یہ ہے عالم کل کا کل دائرۂ ظلال کا پر تو (عکس) ہے، جیسا کہ اس کی تشریح انشاء اللہ آئیگی اور جب ایک صوفی (اپنی روحانی) سیر اور ترقی میں دائرۂ ظلال میں پہنچ گیا تو وہ (وہاں پہنچکر) فانی ہو گیا مٹ گیا اور (اس کے نتیجہ میں) دائرۂ ظلال کو جو قرب بارگاہ الٰہی سے حاصل تھا اس کو بھی حاصل ہو گیا اور تمام عالم گویا اس صوفی کا پر تو (ظل) ہو گیا اور اہل عالم کی صفات اور ان کی عبادتیں گویا اس صوفی کی صفات اور عبادات کا پر تو (ظل) ہو گئیں۔ لہذا جتنا فرق کسی اصل (شے) اور (اس کے) ظل یعنی پر تو ہوتا ہے اتنا ہی فرق ایک ولی اور غیر ولی کی عبادت میں ہو گا ـــ صوفی مسلسل ترقی میں ہے اور جو ایک دن کے لئے رکا رہا وہ گھاٹے میں ہے۔ اس لئے صوفی کو ہر آن ایک درجہ ترقی ملتی ہے جو پچھلے تمام مدارج سے بہتر ہوتا ہے مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

سیر زاہد ہر شبے یک روز راہ
سیر عارف ہر دمے تا تخت شاہ [1]

اس مسئلہ کی دلیل عبید بن خالدؓ کی بیان فرمودہ حدیث سے ملتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ میں سے دو اشخاص کو اپنا بھائی بنایا ان میں سے ایک راہ خدا میں قتل کر دیئے گئے اور اس کے بعد ایک ہفتہ یا اس کے لگ بھگ دوسرے بھی انتقال کر گئے، پس لوگوں نے ان کی نماز جنازہ پڑھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (لوگوں سے) دریافت فرمایا کہ تم نے اس کے حق میں کیا دعا کی؟ انھوں نے عرض کی کہ ہم نے دعا کی حق تعالیٰ اُسے بخش اور اُس کے دوست کے ساتھ (جو پہلے مر چکا ہے) ملحق کر دے (اس پر) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا پھر (پہلے شخص کی) شہادت کے بعد جو نماز پڑھی گئی اور وہ اعمال جو اس کے پسِ مرگ کیے گئے کہاں جائیں گے؟ (کیونکہ) بلاشبہ ان دونوں صحابیوں کے (درجات کے) درمیان زمین اور آسمان کا فرق ہے اس حدیث کو روایت کیا ہے ابو داؤد اور نسائی نے اور اس کا بھید وہی ہے جو عرض کیا گیا قرب کا ہر فوقانی (اوپر والا) نقطہ نیچے والے نقاط کے لئے اصل کی حیثیت رکھتا ہے اور تحتانی (بالکل نیچے والے) نقاط اس کے پرتو کی حیثیت رکھتے ہیں، لہٰذا جس وقت بھی فوقانی نقطہ حاصل ہو جائے تو وہ سارے تحتانی نقطوں سے بہتر ہے کیونکہ اصل کے مقابلہ میں پرتو (اور عکس) کی کیا حقیقت ہے۔

ثواب قرب الٰہی کے متناسب ہے

مسئلہ: جو ولی خدائے تعالیٰ سے

---

[1] "زاہد" یعنی غیر ولی عابد ہر رات ایک دن کی مسافت روحانی طے کرتا ہے اور "عارف" یعنی صاحب ولایت تو ہر وقت شاہی تخت یعنی حق تعالیٰ کے قرب ذاتی تک پہنچا ہوا ہے۔

جتنا زیادہ قریب ہوگا، اس کی عبادتوں کا ثواب ان دوسرے اولیاء کی عبادات
کے ثواب سے جو مرتبہ قریب میں اس سے کمتر ہیں زائد ہوگا اس بات کو حضرت
عائشہ رض سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ ایک رات جبکہ آسمان کے
تارے بہت روشن اور گنجان نظر آرہے تھے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
میرے پاس تشریف فرما تھے، میں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ آیا کوئی ایسا بھی ہوگا
اس کی نیکیاں ان ستاروں کی طرح (روشن اور کثیر) ہوں، آپ نے فرمایا ہاں
عمر رض (ایسے ہی) ہیں میں نے عرض کیا کہ ابوبکر رض کی نیکیاں کیسی ہوں گی؟ فرمایا
کہ عمر رض کی ساری نیکیاں ابوبکر رض کی نیکیوں میں سے صرف ایک نیکی کے برابر (مثل)
ہوں گی ——— اے بھائی جبکہ (ابوبکر رض و عمر رض میں) خلافت اور اس کے تمام اجزا
کی مشارکت کے باوجود درجات میں اتنا زبردست فرق ہے تو اس شخص کے
مرتبہ میں جو مرتبۂ صفات تک پہنچ چکا ہے اور دوسرا جو ابھی دائرۂ ظلال میں ہے
کس قدر فرق سمجھا جانا چاہیئے؟

فصل۔ خوارق عادات (یعنی کرامات) کے بیان میں

خرقِ عادات (کرامات) کی چند
قسمیں ہیں۔ منجملہ ان کے ایک "کشف" ہے اور کشف دو طرح کا ہے ——— ایک
"کشف کونی" جس میں موجودات کے وہ احوال جو نظروں سے پوشیدہ ہیں،
خواہ ان کا تعلق ماضی سے ہو یا مستقبل سے، صاحب کشف پر ظاہر ہو جائیں،
بیہقی نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے
ساریہ رض نامی شخص کو امیر بنا کر ایک لشکر جہاد کے لئے بھیجا۔ ایک دن حضرت عمر رض
خطبہ دے رہے تھے کہ عین خطبہ میں (یکایک) آواز آئی کہ اے ساریہ پہاڑ کی
سمت سے ہوشیار ہو جا (واقعہ یہ تھا کہ) پہاڑ میں کافر چھپے بیٹھے تھے جو حضرت عمر رض

کو نظر آگئے اور کوسوں دور کے فاصلہ سے ساریہ کو اس سے باخبر فرما دیا۔

دوسرا "کشف الہٰی" ہے جو عبارت ہے طریقت کے راستہ میں اپنے احوال اور دوسرے سالکوں کے احوال معلوم کرنے سے اور حق تعالیٰ کے ساتھ ہر ایک کے مرتبۂ قرب کو معلوم کرنے سے اور ان علوم کے جاننے سے بھی جو حق تعالیٰ کی ذات وصفات سے متعلق ہوں، بشرطیکہ وہ (یہ باتیں) کشف کی نظر سے عالم مثال میں دیکھ رہا ہو (نہ کہ محض عقل و فکر اور قیاس سے معلوم کر رہا ہو!)

(کرامات کے منجملہ ایک چیز "الہام" ہے کہ (اس میں) حق تعالیٰ کوئی علم صوفی کے قلب میں ڈال دیتے ہیں اور ہاتف (غیب) کا کلام بھی اسی قبیل سے ہے۔

اور "وسوسہ اور الہام" میں فرق یہ ہے کہ الہام سے صوفی کا قلب اطمینان پاتا ہے اور وسوسہ کو تو قلب سلیم (خود) رد کر دیتا ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اِسْتَفْتِ قَلْبَکَ وَاِنْ اَفْتَاکَ الْمُفْتُوْنَ یعنی خود اپنے دل سے فتویٰ طلب کر اگرچہ تجھ کو مفتیوں نے (جواز کا) فتویٰ دیا ہو، یعنی اگر علمائے ظاہر کسی چیز کے حلال ہونے کا فتویٰ بھی دیدیں تب بھی صوفی کو چاہئیے کو اپنے دل سے فتویٰ پوچھے، صوفی کے قلب کو حرام چیز سے طبعی طور پر نفرت ہوتی ہے خواہ اس چیز کے ظاہر کا اعتبار کر کے علماء اس کو مباح ہی قرار دیں۔ اس حدیث کو بخاری نے وابصہ سے سند حسن کے ساتھ روایت کی ہے اور فرمایا (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے) اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ، یعنی مومنِ کامل کی فراست سے ڈرو، تحقیق کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے جو اس کے دل میں ہے، اس حدیث کو ترمذی نے ابوسعید سے اور طبرانی و ابن عدی نے ابوامامہ سے روایت کیا ہے۔

منجملہ ان (کرامات) کے ایک اور چیز "تاثیر" ہے اور یہ دو طرح پر ہے، ایک

تو یہ کہ مرید کے باطن (یعنی دل) میں اثر انداز ہو اور اس کو حق جل دُعلا کی طرف جذب کرلے اور دوسرے یہ اثر اندازی کہ عالم کون و فساد میں اس کی دعا اور اس کے ارادہ کے مطابق اللہ تعالیٰ باتیں ظاہر فرمانے لگ جائیں (جیسے) حضرت زکریا علیہ السلام جب کبھی مریمؑ کے پاس جاتے تو ان کے پاس غیبی رزق موجود پاتے، وہ اسی قبیل کی چیز تھی، خرق عادات (یعنی کرامات) کی یہ تمام صورتیں صحابۂ کرام (رضوان اللہ علیہم) اور امت کے اولیاء سے روایت کی گئی ہیں۔

کشف والہام کا درجہ علم ظنی کا ہے

مسئلہ: اولیاء کا کشف اور ان کا الہام "علم ظنی" کے درجہ کی چیز ہے اور اگر دو شخص کے کشف متفق ہو جائیں تو (اس کشف کا درجہ) "ظن غالب" کا ہوگا۔ ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور دارمی نے عبداللہ بن زیدؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے لئے لوگوں کو جمع کرنے کی غرض سے ناقوس طلب فرمایا (راوی کہتا ہے کہ) میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص کے ہاتھ میں ناقوس ہے، میں نے اس سے کہا اے خدا کے بندہ ناقوس بیچے گا؟ اس نے کہا تم کیا کرو گے؟ میں نے کہا کہ لوگوں کو نماز کے لئے جمع کرنے کی خاطر چاہیئے اس نے کہا میں اس سے بہتر چیز تمھیں سکھاتا ہوں کہو اللہ اکبر اور اس نے اذان سکھائی۔ جب صبح ہوئی تو میں نے یہ خواب رسول خدا علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا، ارشاد فرمایا کہ انشاء اللہ یہ خواب بالکل سچا ہے اٹھو اور یہ (اذان کے کلمات) بلالؓ کو سکھا دو۔ پس میں نے بلالؓ کو سکھا دیئے۔ پھر عمرؓ آئے اور عرض کی کہ یا رسول اللہؐ میں نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پس تعریف سب اللہ کے لئے ہے ——

(اس واقعہ سے پتہ چلا کہ) کشف والہام پر عمل کرنا جائز ہے بشرطیکہ وہ قرآن، حدیث

اجماع اور قیاس صحیح کے خلاف نہ ہو۔

بیہقی نے عائشہؓ سے روایت کی ہے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر جب صحابہؓ آپ کو غسل دینے والے تھے تو آپس میں گفتگو کرنے لگے کہ آیا حضورؐ کے کپڑے اتار دیئے جائیں یا اسی لباس میں غسل دیا جائے اور اس بارے میں ان میں اختلاف رائے ہو گیا (یکایک) حق تعالیٰ نے ان میں نیند طاری کر دی سب غنودگی میں چلے گئے اور سب نے اس نیند کی حالت میں آواز سنی کی پیغمبر خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کو آپ کے پیراہن ہی میں غسل دیا جائے پس سب اُٹھ گئے اور (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو) آپ کے پیراہن ہی میں غسل دیا اور قمیص کے اوپر ہی سے جسم اطہر کو ملا۔

حدیث احاد اور قیاس کو کشف والہام پر ترجیح حاصل ہے

مسئلہ: اگر کشف والہام، حدیث احاد یا ایسے قیاس کے مخالف ہو جس میں قیاس کی تمام شرطیں پوری ہوتی ہوں تو ایسے موقع پر حدیث وقیاس کو ترجیح دینی ہو گی اور کشف پر غلطی کا حکم لگانا ہو گا۔ اس مسئلہ پر اگلے پچھلے سب کا اتفاق ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد حجت قطعی ہے اور ثقہ (دیانت دار) راویوں کی روایت میں جھوٹ یا بھول کا احتمال بہت ضعیف ہے۔ اور اولیاء کے کشف میں غلطی تو اکثر واقع ہوتی ہی ہے۔ اور ایسی صورت میں جب دو کشف ایک دوسرے کے خلاف ہوں تو جس کشف کو شریعت کی تائید حاصل ہو وہی قبول کے زیادہ قابل ہے۔ اور اگر شریعت اسی مسئلہ میں خاموش ہو تو (ایسی صورت میں) اگر ایک ہی صاحب کشف کے دو کشف ہوں تو اس کا بعد والا کشف اولیٰ اور مقبول ہو گا کیونکہ صوفی ہمیشہ ترقی پر ہے لہذا ۔۔۔ کشف اخیر وقت کے

کشف کے) زمانہ میں حق تعالیٰ سے قریب تر اور انبیاء (کی حالت سے) زیادہ مشابہ ہے ــــ اور اگر صاحب کشف دو شخص ہیں (جن کے مکشوفات میں اختلاف واقع ہے) تو صاحب سکر (یعنی مغلوب یا مجذوب) سے صاحب صحو (صحت ہوش وحواس والے) کا کشف اولیٰ ہے کیونکہ اہل سُکر کے کلام میں غلطی کا بہت احتمال ہے اور اگر دونوں (صاحب کشف) صحو اور سُکر میں دونوں برابر ہوں تو اس شخص کا کشف، جس کے مکشوفات کبھی خلاف شرع نہ رہے ہوں، اس شخص کے کشف سے بہتر ہے جس کا کوئی کشف کبھی کبھار خلاف شرع بھی رہا ہو ــــ اور اس شخص کا کشف جس کا کوئی کشف کبھی کبھار خلاف شرع واقع ہوا ہو مقابلۃً اس شخص کے کشف سے بہتر ہوگا جس کے مکشوفات اکثر مخالفِ شرع رہے ہوں ــــ اگر اس حیثیت میں دونوں برابر ہوں تو اس شخص کے کشف کو ترجیح ہوگی، جس کا درجۂ قرب حق تعالیٰ کے ساتھ بڑھا ہوا ہو ــــ یہ تمام صورتیں قوتِ کشف کی بنا پر ہیں اور اگر دونوں قوت کشف میں برابر ہوں تو ترجیح میں اصحاب کشف کی کثرت کا لحاظ کیا جائے گا ــــ اور اگر ایک ہی کشف دس آدمیوں کو ہو اور دوسرا کشف صرف ایک آدمی کو تو جو کشف دس آدمیوں میں مشترک رہا وہی اولیٰ اور مقبول ہے لیکن (ایک) صاحب کشف اگر (اُن تمام سے) قوی تر ہے تو اس قوی کا کشف جماعت کے کشف سے بہتر ہوگا ــــ اور الہام کا بھی وہی حکم ہے جو کشف کا ہے۔

(اب) مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکشوفات کے مرتبہ عالی کا اندازہ لگانا چاہئیے سب کے سب صحو (صحت ہوش) کے چشمہ سے نکلے ہیں اور کبھی خلاف شرع واقع نہیں ہوئے بلکہ ان میں سے اکثر کی تائید میں خود شرع ہی ہے البتہ بعضے ایسے ہیں کہ شرع ان میں ساکت ہے (یعنی وہ خلاف شرع بھی نہیں مگر شرع سے مؤید بھی نہیں) اور حضرت مجددؒ کا مرتبہ اولیاء اللہ میں ایسا ہے جیسے نبیوں میں

اولوالعزم نبی کا ہو، انشاء اللہ اس کی تفصیل ہم آگے بیان کریں گے اور یہ سب باتیں اس شخص سے چھپی نہیں رہ سکتیں جو حضرت مجددؒ کے کلام کو انصاف کی نظر سے دیکھے۔ اگر کوئی کہے کہ انہوں نے تو کمالات نبوت وغیرہ کے دعوے کئے ہیں اور یہ کہا ہے کہ اُن کی تخلیق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بچے ہوئے خمیر سے ہوئی ہے اور یہ کہ وہ ہزارۂ دوم کے مجدد ہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے ایک فرد میں ان باتوں کا پایا جانا شرع سے ثابت ہے، جیسے کہ انشاء اللہ بیان کروں گا، پس (حضرت مجددؒ کا) ان صفات سے متصف ہونا کشف سے ثابت ہوا ہے اور کشف کا اتباع شرع کے خلاف چیز نہیں

کرامت ولایت کا لازمہ نہیں

فائدہ۔ اللہ تعالیٰ تمہیں سعادت بخشے یہ بات خوب سمجھ لو کہ خرق عادات (کرامات) ولایت کے لوازم سے (ہرگز) نہیں، بعض ایسی ہستیاں ہیں کہ وہ اللہ کے ولی بھی ہیں اور بارگاہ الٰہی کے مقرب بھی مگر ان سے کوئی کرامت ہی نہیں ہوتی چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر اصحاب سے کرامات مروی نہیں ہیں حالانکہ ایک ادنیٰ درجہ کے صحابی دوسرے اولیاء سے افضل ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ بعضے اولیاء کی بعضے اولیاء پر فضیلت کثرت کرامات کی بناء پر نہیں ہے کیونکہ فضیلت عبادت اور کثرت ثواب کی وجہ سے ہے اور کرامات تو محض حظوظ (یعنی سرور کی چیزوں) میں سے ہیں (یاد رہے کہ) ثواب حاصل نہیں ہوتا بجز عبادت و قرب الٰہی کے، یہی وجہ ہے کہ محدثین نے صحابہؓ کے مناقب میں کرامات کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ معجزات کے ذکر کے بعد کرامات کے لئے الگ باب باندھا ہے ــــــ خرقِ عادات جوگیوں میں بھی پایا جاسکتا ہے، یہی مجدد رحمۃ اللہ علیہ کا فرمانا ہے اور صاحب عوارف نے فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ

کسی کو خوارق عطا فرماتے ہیں اور دوسروں کو نہیں بھی دیتے حالانکہ یہ لوگ صاحب خوارق سے بلند درجہ والے ہوتے ہیں خرقِ عادات تو قلبی ذکر اور اس کے (نتیجہ) سے کمتر درجہ کی چیز ہے۔ شیخ الاسلام خواجہ عبید اللہ احرار فرماتے ہیں کہ عارفوں کی فراست کا تعلق طالبوں کی استعداد اور اولیاء کے مقامات معلوم کرنے سے ہے اور اہلِ ریاضت (ومجاہدہ) اور اہلِ فاقہ کی فراست کا تعلق خاص طور پر ان چیزوں کی صورتوں اور احوال کے معلوم کرنے سے متعلق ہے جو نظر سے غائب ہیں۔

اب جبکہ لوگ دنیا میں منہمک اور خدا سے غافل ہیں، ان کے دلوں کا زیادہ میلان غیب کے احوال معلوم کرنے کی جانب ہے اور اس چیز کو وہ بہت اچھا سمجھتے ہیں، ان کو حقیقت اور اہلِ عرفان کے کشف سے کوئی سروکار نہیں اور یوں کہتے ہیں اگر یہ لوگ (یعنی اہلِ عرفان) اہل اللہ میں سے ہوتے تو غیب کی باتیں ضرور جانتے، جب انھیں اتنی بھی خبر نہیں تو اور کیا جانیں گے۔ اس قسم کی باتیں تو منافق لوگ سید المرسلین (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں بھی کہا کرتے تھے یہ بے وقوف لوگ اپنے انہی گندے خیالات کی وجہ سے اولیاء اللہ کی برکات سے محروم ہیں۔ انھیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کے معاملہ میں بہت غیور ہے کہ انھیں اپنے سوا کسی اور طرف مشغول ہونے ہی نہیں دیتا (جیسا کہ مولانا رومؒ نے اشعار مثنوی تھے معترضوں کو جتاتا ہے) ؎

من نہ دانم فاعلاتٌ فاعلات   شعر می گویم بہ از آبِ حیات

قافیہ اندیشم و دلدارِ من   گویدم مندیش جز دیدارِ من [۱]

---

[۱] مفہوم یہ ہے کہ میں فاعلات فاعلات یعنی فنِ عروض نہیں جانتا مگر یہ دیکھو کہ شعر آبِ حیات سے زیادہ روح پرور کہتا ہوں، اور فنِ شاعری باریکیوں کا لحاظ نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اگر کبھی ان کی طرف ادنیٰ توجہ بھی ہو جاتی ہے تو میرا محبوب ازلی مجھ سے کہتا ہے کہ خبردار میرے مشاہدہ اور دیدار کے سوا کسی اور طرف خیال کو جانے نہ دینا!!

حضرت مجدد رضی اللہ عنہ اپنے پیر و مرشد (خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ) سے روایت فرماتے ہیں کہ شیخ محی الدین ابن عربی (قدس سرہٗ) نے کسی جگہ تحریر فرمایا ہے کہ بعضے اولیاء جن سے کرامات زیادہ ظاہر ہوئیں انھوں نے مرتے وقت یہ تمنا کی ہے کہ کاش ہم سے اتنی کرامتیں ظاہر نہ ہوئی ہوتیں۔

اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ اگر کرامتیں ولایت کے لئے لازمی نہیں ہیں تو پھر کس طرح کوئی پہچانے کہ یہ شخص اللہ کا ولی ہے؟ حضرت مجدد رضی اللہ عنہ نے اس سوال کے دو جواب دیئے ہیں: ایک تو یہ کہ کسی ولی کی ولایت کا معلوم کرنا ہی کیا ضروری ہے؟ ولایت تو خدا کے ساتھ ایک نسبت (خاص) کا نام ہے، کوئی اس سے باخبر ہو یا نہ ہو۔ بہت سے اولیاء اللہ اپنی ولایت سے خود ہی بے خبر ہوتے ہیں تو دوسروں کو تو اس کی کیا ہوا لگ سکتی ہے البتہ (صاحب ولایت) مرنے کے بعد اس کا پھل ضرور پا لیں گے خوارق (یعنی معجزات) کی ضرورت بطور خاص انبیاء (علیہم السلام) کو ہوتی ہے کہ جو مخلوق کو (اپنی طرف) بلانے پر مامور ہوتے ہیں ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی نبوت مخلوق پر ظاہر کر دیں اور اس کو ثبوت (معجزات) تک پہنچا دیں۔ (انبیاء کے برخلاف) اولیاء تو (اپنی ذات کی طرف نہیں بلکہ) محض اپنے پیغمبر کی شریعت کی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں، پیغمبر کے معجزات ہی ان کی اس دعوت و تبلیغ کے لئے کافی ہیں، علماء اور فقہائے شریعت کے ظاہری پہلو کی طرف بلاتے ہیں اور اولیاء کرام اپنے مریدوں کو پہلے تو ظاہر شریعت ہی کی پابندی کی تاکید کرتے ہیں اور بعد میں "ذکر" کی تعلیم دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اپنے اوقات کو یادِ الٰہی سے معمور رکھو تاکہ ذکرِ الٰہی (طبیعت پر) چھا جائے اور غیر خدا کا گذر تمھارے دل میں ہونے نہ پائے۔ ظاہر ہے کہ اس دعوت (اصلاح نفس) میں کرامت کی کوئی ضرورت نہیں ——— دوسرا جواب یہ کہ ایک سچا

مرید ہر لحظہ اور ہر گھڑی اپنی ذات (یعنی نفس وقلب) کے احوال کے تغیرات میں (صاف صاف) شیخ کی کرامات کو دیکھتا ہے کہ (شیخ کے فیضان توجہ نے) کس طرح اس کے مردہ دل کو زندہ کر کے مشاہدۂ (حق) اور مکاشفہ (الٰہی) سے سرفراز کر دیا ہے۔ عوام کے نزدیک ایک مردہ کو زندہ کر دینا بڑی بات ہے مگر خواص کے نزدیک روح وقلب کو زندہ کرنا (زیادہ) معتبر ہے، پس مرید کی نظر میں (اپنے شیخ کی) کرامت تو موجود ہی ہے، رہے عوام تو ان کو اس کی ضرورت نہیں۔

ولی کی نشانی

فائدہ: یاد رکھو کہ ولی کی نشانی یہ ہے کہ شریعت شریفہ کے ظاہر پر اس کو پوری پوری استقامت حاصل ہو کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنْ اَوْلِیَاؤُہٗ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ یعنی صرف متقین ہی اللہ کے اولیاء ہیں اور اس (ولی) کا باطن ایسا ہو کہ جب کبھی کوئی شخص اس کے قریب بیٹھے تو اپنے دل کو (خود بخود) غیر سے ہٹ کر خدائے تعالیٰ کی طرف متوجہ اور مائل پائے۔

امام نوویؒ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ اولیاء اللہ کی نشانی کیا ہے؟ ارشاد فرمایا کہ ان کو دیکھ کر خدا یاد آجائے اور ابن ماجہ نے بھی اسی طرح کی روایت کی ہے، نیز بغوی نے رسول کریم (علیہ الصلوٰۃ والتسلیم) سے روایت کی ہے کہ تحقیق کہ بندوں میں میرے اولیاء وہ ہیں جن کی یاد میرے یاد آجانے سے آتی ہے اور جن کے یاد آجانے سے میں یاد آجاتا ہوں لیکن اس بات کو سمجھنے کے لئے کچھ مناسبت ضروری ہے اور کسی شخص کا اس (حقیقت سے) انکار خود ہی اس بات کے سمجھنے میں ایک رکاوٹ ہے۔

ہر کرا روئے بہ بہبود نبود
دیدنِ روئے نبی سود نبود

(یعنی جس کا ارادہ ہی ہدایت حاصل کرنے کا نہ تھا تو ایسے شخص کا نبی کو دیکھنا بھی نفع بخش نہ ہوا)

یہ تاثیرات کے مراتب (و مدارج) ہیں جو ہر ولی میں ہوتے ہیں اور اگر باطن تاثیر میں قوی ہو کہ مرید کو اللہ (جل شانہ) کی جانب جذب کر سکے اور اس کے قرب کے مراتب تک پہنچا سکے تو ایسے (ولی) کو مکمل (کامل بنانے والا کہتے ہیں (اور) جس طرح کمال کے درجات ہیں اسی طرح تکمیل کے درجات بھی بہت ہیں۔ بعضے اولیاء (ایسے ہیں کہ) اپنے کمال میں تو بہت اونچے ہیں مگر تکمیلی تاثیر اس درجہ کی نہیں رکھتے اور بعضے کمال میں تو اتنے اونچے نہیں لیکن جس مرتبہ کمال تک خود پہنچ چکے ہیں دوسروں کو بھی وہاں تک پہنچا سکتے ہیں اور سب کچھ اللہ تعالیٰ کے فضل ہی سے ہے!

دوسرا باب

مریدوں کے آداب میں

طلب واجب ہے باطنی کمالات کے حاصل کرنے کے لئے طریقت کی طلب اور کوشش واجب ہے کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ یعنی اے مسلمانوں اللہ سے ڈرو جیسا کہ اُس سے ڈرنے کا حق ہے) مراد یہ ہے کہ اے مسلمانو خدا کی ناپسندیدہ باتوں سے کمال پرہیزگاری کے ساتھ بچتے رہو یعنی (اس بات کی کمال احتیاط رہے) کہ ظاہر و باطن میں اور عقائد و اخلاق میں کوئی بات خدائے تعالیٰ کی مرضی کے خلاف نہ رہنے پائے اور (یہ اصول ہے کہ ہمیشہ) حکم، وُجوب پر دلالت کرتا ہے (پس اس آیت کی رُو سے تقویٰ کا کمال حاصل کرنا واجب ہوا اور یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ) بغیر ولایت کے تقویٰ کا کمال رونما نہیں ہوتا (اور جیسا کہ بیان کیا جا چکا جب تک نفس کے رذائل مثلاً حسد، کینہ، بغض، غرور ریاء، عداوت، عُجب، چاپلوسی وغیرہ جن کا حرام ہونا کتاب، سنت اور اجماع (سب) سے ثابت ہے (دل سے) نکل نہ جائیں (اس وقت تک) تقویٰ کس طرح پیدا ہو سکتا ہے؟ اور یہ بات فنائے نفس اور معاصی کے ترک سے تعلق رکھتی ہے (اور) تقویٰ اسی (اہتمام کا نام ہے اور اُس اصلاح ظاہر سے

عبارت ہے جو اصلاح قلب کے نتیجہ میں حاصل ہوئی ہو جیسا کہ حدیث شریف میں بھی آیا ہے[1] اور اس کو صوفیا اپنی اصطلاح میں "فنائے قلب" کہتے ہیں اور اصل فنائے نفس کا نام ولایت ہے۔

صوفیوں کا قول ہے کہ وہ راستہ جس پر ہم گامزن ہیں کل سات قدم ہیں، یعنی (۱) پانچ قدم تو عالم امر کے پانچوں لطائف، قلب[۱]۔ روح[۲]۔ سر[۳]۔ خفی[۴] اور اخفٰی[۵] کا فنا اور (دو قدم) نفس کا فنا اور قالبیہ[۶] لطیفہ کا تصفیہ جو صلاح جسد (اصلاح ظاہر) کا نام ہے (اس طرح یہ کل سات قدم ہوئے جس میں سلوک کا پورا راستہ آگیا)۔

تقویٰ کا تعلق نوافل (نفلی عبادتوں) کی کثرت سے نہیں بلکہ تقوی نام ہے واجبات پر عمل اور ممنوعات سے پرہیز کا (اور) فرائض ہوں یا واجبات بغیر اخلاص کے ان کی بجا آوری قطعاً قابل اعتبار نہیں (دیکھو) اللہ تعالی کا ارشاد ہے فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ (پس بندگی کر اللہ کی دین کو اسی کے لئے خالص کرکے) اور ممنوعات سے پرہیز نفس کو فنا کئے بغیر ہو ہی نہیں سکتا، لہذا ولایت کے کمالات کا حاصل کرنا فرائض میں سے ایک فریضہ ثابت ہوا مگر چونکہ ولایت کاملہ خدا کی دین پر منحصر ہے اور کسی کے بس کی بات نہیں اور (یہ بھی قرآن سے ثابت ہے کہ) ذمہ داری (صرف) بقدر طاقت ہے اسی لئے حق تعالی نے فرمایا فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ یعنی خدا کی منع کی ہوئی چیزوں سے بچو جتنا کہ تمہاری بساط میں ہو پس (اب) حکم یہ لگایا جائیگا کہ کمالات ولایت کے حصول کی

---

[1] وہ حدیث شریف یہ ہے:

الا ان فی الجسد لمضغۃً اذا صلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت فسد الجسد کلہ الا وھی القلب۔

بساط بھر کوشش واجب ہے [1]

دوسرے یہ کہ جس طرح ولایت کے بے شمار مراتب ہیں جیسے کہ سعدیؒ کا ارشاد ہے ؎

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں   بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

اسی طرح تقوے کے بھی نامتناہی مراتب ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اِنَّ اَعْلَمَکُمْ وَاَتْقٰکُمْ بِاللّٰہِ اَنَا (سب سے زیادہ اللہ کو پہچاننے والا اور اس سے ڈرنے والا میں ہوں) ایک انسان قرب الٰہی کے مراتب میں جتنی زیادہ ترقی کرتا ہے اتنا ہی خشیت اور اللہ کا خوف اس پر طاری ہوتا ہے اور وہ (اسی تناسب سے) تقویٰ میں بڑھتا جاتا ہے اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ [2] پس جب تقوے کی کوئی انتہا نہیں تو مقامات قرب (الٰہی) اور تقوے کے حصول میں مرتے دم تک کوشش واجب ہوگئی اور باطنی علم (جس کو عرفان کہتے ہیں) کی ترقی کا طلب کرنا فرض ثابت ہوا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا

---

[1] میرے پیر و مرشد حضرت مولانا علامہ سید سلیمان ندوی نور اللہ مرقدہٗ نے تقوے سے متعلق حضرت قاضی صاحب قدس سرہٗ نے جو دو آیتیں نقل فرمائی ہیں ان میں عجیب عارفانہ نکتہ ارشاد فرمایا جو بلا تاویل اور نہایت لطیف ہے۔ فرمایا:-
فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ سے پہلے اموال و اولاد کی محبت اور ان کے ابتلا ہونے کا ذکر ہے اور پھر فرمایا گیا ہے کہ اپنی استطاعت بھر ان کے معاملہ میں ڈرتے رہو۔ یعنی اس آیت میں "حقوق العباد" میں پرہیز گاری کا ذکر ہے اور وَاتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ میں "حقوق اللہ" کا ذکر ہے کہ یہاں تو جان ہی کی بازی لگانا ہے۔ سبحان اللہ

[2] اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ معزز وہ ہے جو تقویٰ میں زیادہ بڑا ہوا ہے۔

یعنی کہیے اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہ پروردگار میرے علم میں اور ترقی عطا فرما
پس ایک ناقص کی طرح ایک کامل کے لئے بھی قرب کے مراتب پر قناعت حرام
ہے[1] حضرت خواجہ محمد باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ے

در راہِ خدا جملہ ادب باید بود   تا جاں باقی ست در طلب باید بود
دریا دریا اگر بکامت ریزند   کم باید کرد و خشک لب باید بود

(رباعی کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کے راستے کے چلنے والوں کے لئے ضروری ہے
کہ وہ بات میں ادب الٰہی کا خیال رکھیں اور جب تک دم میں دم ہے قرب الٰہی
میں ترقی کی طلب میں لگے رہیں اور ہمت ایسی بلند ہو کہ دریا کے دریا بھی اگر پلا دیئے
جائیں تو ان کو دو ایک گھونٹ سے زیادہ نہ سمجھیں اور ہونٹ پھر بھی خشک ہی رہیں
کہ ابھی تشنگی باقی ہی ہے ۔ حاصل یہ کہ اس راستہ میں قناعت نہ ہونی چاہئے
کیونکہ مراتب قرب کی کوئی انتہا نہیں ہے)

مولانا روم فرماتے ہیں ے

اے برادر بے نہایت درگہیست   ہرچہ بروے می رسی بروے مایست

(اے بھائی قرب الٰہی نامتناہی، جس درجہ تک بھی ترقی کر جاؤ اس سے اوپر اور
درجات باقی ہی رہیں گے)

حضرت خواجہ محمد باقی باللہ کا ارشاد ہے ے

ہر جا کہ ترشحِ تو بینیم   داؤ العطشیم و تشنہ کامیم

(جہاں کہیں بھی ہم آپ کی عنایت کی بارش پاتے ہیں اپنے آپ کو تمام تر پیاسا
ہی پیش کرتے ہیں)

---

[1] اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ کی تادم زیست تکرار اس کی کھلی قرآنی دلیل ہے ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓی اَبْلُغَ الْبَحْرَیْنِ
اَوْ اَمْضِیَ حُقُبًا ۝ میں چلتا ہی چلا جاؤں گا یہاں تک کہ اس جگہ پہنچ جاؤں
جو کھارے اور میٹھے پانی کے دریاؤں کا سنگم ہے اور یہ حضرت خضر کی جگہ
اللہ کے بتلانے سے موسیٰ علیہ السلام کو معلوم ہوئی تھی۔ جب موسیٰ علیہ السلام
خضر سے ملے تو فرمایا هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓی اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ۝
یعنی کیا میں اس غرض سے آپ کی پیروی کروں کہ جو کچھ اللہ نے آپ کو
سکھلایا ہے وہ آپ مجھے بھی سکھلائیں گے۔

مسئلہ: جب باطنی کمالات کی طلب واجب ٹھہری تو ایسے پیر کی تلاش
ضروری ہوئی جو کامل بھی ہو اور مکمل (کمال تک پہنچانے والا) بھی ہو کیونکہ کامل و مکمل
پیر کے بغیر خدا تک رسائی بہت ہی نادر ہے مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

نفس را نکشد بغیر از ظلِ پیر دامنِ آں نفس کُش محکم بگیر

(نفس پیر کامل کے سایہ یعنی تربیت کے بغیر مر نہیں سکتا اس لئے ایسے نفس
کش پیر کا دامن خوب مضبوط پکڑ لو)

اور کامل و مکمل پیر کی جستجو کا طریقہ یہ ہے کہ فقراء سے اکثر ملتا رہے اور اُن
میں سے کسی کو نہ برا بھلا کہے نہ اس میں عیب نکالے البتہ خود بیعت اس وقت
تک نہ کرے جب تک کہ خوب غور سے دیکھ بھال نہ لے۔ پہلی چیز اس کے
اندر یہ دیکھے کہ آیا وہ شریعت کا سختی سے پابند ہے؟ جس کسی کو شریعت کا
پابند نہ پائے اس سے ہرگز بیعت نہ کرے اگرچہ اس کی کرامات دکھائی دیں
کیونکہ ایسی جگہ سے نفع کا گمان رکھنا درست نہیں اور نقصان کا امکان قوی ہے
حق تعالیٰ کا ارشاد لَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ۝ یعنی گنہگار اور کافر کی
اطاعت مت کر، یہاں اللہ تعالیٰ نے گنہگار کی اطاعت سے پہلے منع کیا ہے

اور کافر کی اطاعت سے بعد کو کیونکہ کافر کی اطاعت کا خدشہ دور کا ہے اور اس کا باطل ہونا ظاہر ہے۔ اسی لئے کافر کی صحبت مسلمان کے لئے اتنی مضر نہیں جتنی کہ ایک گنہگار (مسلمان) کی، حق تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا۔ یعنی ایسے شخص کی بات نہ ماننا جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے اور وہ اپنے نفس کا پیرو ہے اور اس کے اعمال وافعال شریعت کی حدود سے نکل چکے ہیں (اس آیت پاک میں) وَاتَّبَعَ هَوَاهُ۔ عطف تفسیر ہے، یعنی نفس کی پیروی، دل کی غفلت اور اعضاء وجوارح کے فساد کی دلیل ہے یا بالفظ دیگر گناہوں کا ارتکاب قلب کے بگاڑ کا ثبوت ہے (جیسا کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ (جب دل بگڑ جاتا ہے تو سارا جسم ہی بگڑ جاتا ہے یعنی پھر جسمانی اعمال سے گناہ ہی ہونے لگتے ہیں) — لہذا جس شخص کے احوال درست ہیں اور وہ اپنی ولایت کا دعوے اپنے ذاتی کمالات باطنی کی بنا پر کرتا ہے نہ کہ اپنے آباؤ اجداد کے کمالات کی وجہ سے جیسا کہ پیرزادوں نے رسم بنالی ہے، تو اس کا دعویٰ صحیح ہے البتہ اس کے دعوے پر دلیل بھی ہونی چاہیئے اور ایسی کرامات جو شریعت کے اتباع اور اس پر استقامت کی راہ سے ہوں اس کی ولایت کا ثبوت ہو سکتی ہیں لیکن قوی ترین ثبوت وہی باتیں ہوں گی جو حدیث سے ثابت ہیں کہ (مثلاً) اس کی صحبت میں بیٹھ کر اور اس کو دیکھ کر خدا یاد آجائے اور اللہ کے سوا ہر چیز سے دل سرد ہو جائے لیکن چونکہ عوام الناس اور بیگانۂ تصوف لوگوں کے لئے صحبت کے اثرات کو محسوس کرنا مشکل ہے اس لئے اس پیر کے مریدوں میں جو عالم عقلمند اور انصاف پسند نظر آئے اس سے پیر کی صحبت کی تاثیر کا حال معلوم کرے (جیسا کہ) حق تعالیٰ کا ارشاد ہے فَاسْئَلُوْا

اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ یعنی تم اگر خود نہیں جانتے تو اہل علم سے پوچھ لو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّمَا شِفَاءُ الْعِیِّ السُّؤَالُ یعنی جہل کے مریض کی شفاء علماء سے سوال کرنے میں ہے۔ پس اگر ایک انصاف پسند اس کی صحبت کی تاثیر کی گواہی دے اور اس میں اس کا مطلوب نہ مال ہو نہ جاہ، اور اس کہنے والے میں جھوٹ کا احتمال بھی نہ ہو، ساتھ ہی وہ عقلمند بھی ہو کہ بیوقوفی اور حماقت سے متہم نہ ہو تو ایسے شخص کی بات پر اعتبار کرنا چاہیئے اور اگر (ایک کے بجائے) چند اشخاص ایسی گواہی دیں تو غلبۂ ظن اور زیادہ ہوگا اور اگر روایات کی کثرت تواتر کی حد تک پہنچ جائے تو بات کی قطعیت کا درجہ حاصل ہو جائے گا مگر ایک متقی اور صاحب استقامت شخص (یعنی پیر) سے رجوع کرنے کے لئے غلبۂ ظن کافی ہے، کیونکہ متقی کی صحبت میں نقصان کا احتمال نہیں اور فائدہ گو یقینی نہیں مگر محتمل تو ضرور ہے۔ پس اس جگہ سے نفع کا طالب ہو جائے اگر وہاں سے مقصود حاصل ہو جائے تو مراد مل گئی ورنہ دوسری جگہ تلاش کرے۔

نفع نہ محسوس ہو تو دوسرا شیخ تلاش کرے

مسئلہ: اگر کوئی شخص ایک مدت تک کسی شیخ کی خدمت میں حسن اعتقاد کے ساتھ رہے اور پھر بھی کوئی تاثیر محسوس نہ کرے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس شیخ سے کنارہ کشی کر لے اور دوسرے پیر کی تلاش کرے ورنہ اس کا معبود و مقصود شیخ بن جائے گا نہ کہ خدائے تعالیٰ اور یہ (یعنی کسی کو مقصود بنانا) شرک ہے۔ حضرت خواجہ عزیزان علی رامیتنی قدس سرہ جو سلسلہ نقشبندیہ کے پیر گذرے ہیں، فرماتے ہیں ؎

با ہر کہ نشینی و نشد جمع دلت ۔ وز تو نہ رمید صحبت آب و گلت
زنہار ز صحبتش گریزان میباش ۔ ورنہ نکند روح عزیزاں بحلت [1]

لیکن (یہ ضرور ہے کہ) اس شیخ سے حسن ظن رکھے کیونکہ اس کا احتمال ہے کہ وہ شیخ تو (اپنی ذات میں) کامل و مکمل ہو مگر اس کے پاس اس شخص کا حصہ نہ ہو۔ اسی طرح اگر شیخ کامل و مکمل میسر تو آئے مگر وہ اس دنیا سے کوچ کر جائے اور ابھی مرید تکمیلی درجہ تک نہ پہنچ پایا ہو تو اس مرید پر واجب ہے کہ وہ دوسرے شیخ کی صحبت ڈھونڈھے کیونکہ مقصود تو خدا ہے (اور اس تک رسائی)

حضرت مجدد رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ صحابہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرات ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم سے بیعت کی، اس بیعت کا مقصد محض دنیوی امور (یعنی سیاسی و اجتماعی مصلحتیں) نہیں تھیں بلکہ باطنی کمالات کا حاصل کرنا بھی (اس میں شامل) تھا۔ اگر کوئی کہے کہ اولیاء کا فیض تو ان کی وفات کے بعد بھی باقی رہتا ہے اس لئے دوسرے شیخ سے رجوع کرنا بے معنی ہے تو (اس کے جواب میں) کہا جائے گا کہ اولیاء کا فیض اُن کی وفات کے بعد اس قدر (موثر) نہیں کہ ناقص کو درجۂ کمال تک پہنچا دے۔ بجز اس کے کہ یکا دکا کبھی ایسا ہوا ہو۔ اگر مرنے کے بعد بھی فیض کی نوعیت وہی رہتی ہے جیسے حیات ناسوتی میں تھی تو پھر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے لے کر اس وقت تک جتنے بھی اہل مدینہ ہیں وہ (فیض یابی میں) صحابہ کے برابر ہوں گے اور کوئی شخص بھی اولیاء (کرام) کے فیضانِ صحبت کا محتاج نہیں رہے گا مردہ کا فیض زندہ کے

---

[1] یعنی جب تو کسی پیر کی صحبت اختیار کرے اور تیرے نفسانی میلانات جیسے کے ویسے ہیں تو اس پیر کی صحبت کو ترک کر دے۔

فیض کی طرح کیونکر ہو سکتا ہے کیونکہ فیض پہنچانے والے اور فیض پانے والے میں مناسبت شرط (ضروری) ہے اور وہ وفات کے بعد باقی نہیں رہتی۔ ہاں فنا و بقا کے بعد جب باطنی مناسبت حاصل ہو جاتی ہے تو (بزرگانِ دین کی) قبروں سے فیض اٹھایا جا سکتا ہے گر وہ بھی اتنا نہیں جتنا کہ ان کی زندگی میں ممکن تھا واللہ تعالیٰ اعلم

نفع محسوس ہونے پر اس شیخ کو نہ چھوڑے

مسئلہ: اگر کسی شخص کی ولایت ثابت ہو اور مرید اس کی صحبت کی تاثیر اپنے اندر محسوس بھی کرے تو اس پر واجب ہے کہ اُس کی صحبت کو غنیمت سمجھے اور اس کے فیض کا دامن مضبوط پکڑ رکھے اور اس کے عشق اور اس کی محبت کو اپنے دل میں پیوست کر لے اور اللہ سے اُس (شیخ) کی محبت کے راسخ ہو جانے کی درخواست کرے[1] اور اس کے حکم (کردہ اعمال و اشغال) کی بجا آوری اور منع کی ہوئی چیزوں سے پرہیز کی پوری پوری کوشش کرے اور ہمیشہ اس کی خوشنودی کا طالب بنا رہے اور ہمیشہ (اس بات کی) احتیاط برتے کہ اپنی طرف سے کوئی حرکت ایسی ہونے نہ پائے جو اُس کی ناراضی کا موجب ہو جائے کیونکہ اس کی خوشنودی حق تعالیٰ کی خوشنودی اور ترقیات روحانی کا سبب ہے اور اس کی ناراضی سے فیضِ (روحانی) اور فتوحاتِ (باطنی) کا دروازہ

---

[1] حضرت قاضی صاحبؒ کے اس جملہ پر کسی کو شبہ نہ ہو اللہ سے غیر کی محبت کا رسوخ طلب کرنا کیسے درست ہو سکتا ہے؟ بالکل درست ہو سکتا ہے اس لئے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں اللہ پاک سے اس کی ذات کی محبت طلب فرمائی وہاں یہ بھی درخواست کی کہ واسئلک حب من یحبک (اور میں تجھ سے اس کی محبت طلب کرتا ہوں جو تجھ سے محبت رکھتا ہو)۔

بند ہو جاتا ہے۔

شیخ کی بے ادبی حرام ہے

مسئلہ: آداب شیخ کی بجاآوری میں کوتاہی حرام ہے کیونکہ یہ روحانی ترقیات میں رکاوٹ بن جاتی ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْآ اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْھَرُوْا لَہٗ بِالْقَوْلِ کَجَھْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝

اے مسلمانوں اپنی آواز کو نبی کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ اپنی بات کو اتنی بلند آواز سے کہو جیسی تم آپس میں کرتے ہو، اس سے ڈرو کہ اس بے ادبی کے اثر سے تمہارے نیک کام اکارت نہ ہو جائیں اور تم کو اس کی خبر بھی نہ ہونے پائے۔

اب چونکہ پیر نائب پیغمبر ہے لہٰذا یہی آداب اس کے ساتھ بھی ملحوظ رکھے، چنانچہ پیغمبر کی محبت اسی لئے فرض ہے کہ وہ خدا تک پہنچانے والا ہے اور اس کی محبت، خدا کی محبت کا ذریعہ ہے اور اس کی معیت، اللہ کی معیت کا سبب ہے، اسی طرح پیر کی محبت بھی فرض ہے کہ وہ پیغمبر کا نائب ہونے کی وجہ سے خدا تعالیٰ تک اور اس کی محبت تک پہنچانے والا ہے۔

اپنے پیر کو افضل سمجھنے کا مفہوم

مسئلہ: بعض صوفیاء کہتے ہیں کہ مرید کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے پیر کو دوسرے مشائخ سے افضل سمجھے اور بعض کہتے ہیں کہ اس طرح کا اعتقاد باطل ہے اس لئے کہ وَفَوْقَ کُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ کہ ہر علم والے سے بڑھ کر دوسرا صاحب علم موجود ہے، احقر یہ کہتا ہے کہ فضیلت دنیا دو طرح کا ہے، ایک تو اپنا پیر بنا لینے کے اعتبار سے اور اس صورت میں فضیلت اس معنی میں ہے کہ اپنے

پیر کو خود اپنے حق میں اوروں سے زیادہ نفع بخش (انفع) ماننے، یہ (بالکل) صحیح ہے۔ دوسرے بے اختیاری سے افضل سمجھنا جو سُکر اور فرطِ محبت کا نتیجہ ہے کہ جب محبت کامل ہو گئی تو عاشق کو اپنی نگاہ میں غیر محبوب کے فضائل محبوب سے کم تر نظر آنے لگے، اس صورت میں وہ معذور ہے کیونکہ وہ نشۂ محبت میں چور ہے۔ ان دو تاویلات کے سوا افضیلت دینے کے کوئی اور معنی نہیں ہو سکتے۔

اعتراض سے فیض بند ہو جاتا ہے

مسئلہ: مرید کو اپنے شیخ پر اعتراض (دایراد) نہیں کرنا چاہئیے کیونکہ یہ فیض اٹھانے میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔ اس کی دلیل حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضر علیہما السلام کا واقعہ ہے کہ جب موسیٰؑ نے خضرؑ سے فیض رسانی کی درخواست کی تو خضرؑ نے آپ سے وعدہ لیا کہ میں جو کچھ کروں اس پر اعتراض نہ کروگے، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

انك لن تستطيع معى صبرًا وكيف تصبر على ما لم تحط به خبرًا ــــ الى ــــ احدث لك منه ذكرًا ٥

تم میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے اور جس چیز کی تمہیں خبر نہ ہو تم اس پر صبر آخر کر بھی کیسے سکتے ہو، موسیٰ نے کہا انشاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے اور میں کسی معاملہ میں آپ کی نافرمانی نہ کروں گا، خضرؑ نے کہا اچھا تم میرے ساتھ چلتے ہو تو مجھ سے کوئی بات نہ پوچھنا جب تک کہ میں خود اس کا ذکر تم سے نہ کروں۔

یعنی پہلے خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ صبر نہ کر سکیں گے اور کیسے صبر کر سکیں گے اُن باتوں میں جن کی حکمت آپ کو معلوم نہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ انشاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے پس خضر علیہ السلام نے فرمایا اچھا تو میرے کاموں پر آپ سوال نہ کریں کہ میں آپ کو اس کی غایت یا علت بتاؤں، (مگر) پھر حضرت موسیٰؑ

کے اعتراض ہی وجہ سے دونوں میں جدائی ہی ہوگئی ھٰذا فراق بینی وبینک ـــــــ موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام پر ظاہر شریعت کی بنا پر اعتراض کیا اور آپ کو اس کی حکمت معلوم نہ تھی، خضرؑ نے فرمایا بس یہی ہے آپ کے ہمارے درمیان جدائی (کا نقطہ)

فائدہ: یہ بات اس معاملہ میں ہے کہ پیر (شریعت پر) استقامت رکھتا ہو اور متقی ہو (اس کے باوجود) عمر بھر میں کبھی کوئی بات اس سے شریعت کے خلاف ظاہر ہو جائے تو ایسی صورت میں پیر پر اعتراض نہ کرے بلکہ اس کی تاویل کرلے یا ہوسکے تو کسی عذر پر محمول کرلے اور اگر وہ (کوئی عمل نہ بلکہ خلاف شریعت) قول ہو تو اس کو سکر یا مجاز پر محمول کرے یا اس کے مراد ومفہوم سے لاعلمی پر محمول کرے۔ البتہ اگر کوئی فعل صاف گناہ ہو تب بھی اس ولی پر نکیر نہ کرے گو اس عمل کا رد کرے کیونکہ بزرگوں نے کہا ہے کہ القطب قد یزنی یعنی "قطب" سے بھی کبھی زنا صادر ہو جاتا ہے (حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے تھے، ان سے تقدیر کے لکھے سے زنا واقع ہوا، اللہ تعالیٰ نے ان کو توبہ کی توفیق بخشی کہ انھوں نے خود کو سنگسار کروالیا ـــــــ ہاں اگر کوئی شخص (جو پیر بنا بیٹھا ہے) ایسا ہے کہ فسق (و فجور) اس کا وتیرہ ہے تو وہ البتہ نہ ولی ہے نہ اس کے قول وفعل کی تاویل ضروری ہے۔

پیر کے ادب میں غلو حرام ہے

مسئلہ:۔ جس طرح مشائخ کے آداب میں کمی اور کوتاہی حرام ہے اسی طرح ان کے آداب میں غلو (زیادتی) بھی نہایت بری بات ہے کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی شان میں کوتاہی لازم آجاتی ہے۔ نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی تعظیم میں زیادتی کی ان کو اللہ کا بیٹا ٹھہرایا اس سے حق تعالیٰ کے آداب میں تقصیر

ازم آگئی۔ رافضیوں نے علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی تعظیم میں غلو کیا۔ بعضوں نے
ہا کہ اللہ تعالیٰ ان میں حلول کر گیا تھا۔ بعضوں نے کہا کہ ان پر وحی آتی تھی اور بعضے
س کے قائل ہوئے کہ وہ (اپنے ماسبق) تینوں خلفاء سے افضل ہیں تو ان کے ان
قوال و عقائد سے خدا تعالیٰ یا رسولِ خدا یا خلفاءِ ثلاثہ کے آداب میں (تقصیر و)
لمی لازم آئی۔

اولیاء کو علمِ غیب نہیں

مسئلہ: اولیاء علم غیب نہیں رکھتے البتہ بطور کرامات بعض غیب کی باتوں پر ان کو کشف یا الہام
کے ذریعہ مطلع کیا جاتا ہے اولیاء کے متعلق علم غیب کا اعتقاد کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا
ارشاد ہے قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب یعنی اے محمد
(صلی اللہ علیہ وسلم) فرما دیجئے کہ میں یہ نہیں کہتا میرے پاس اللہ کی رحمت کا خزانہ ہے
کہ جس کسی کو چاہوں دے دوں اور میں یہ (بھی) نہیں کہتا مجھے غیب کا علم حاصل ہے
وقال اللہ تعالیٰ۔ ولا یحیطون بشیٔ من علمہٖ الا بما شآء یعنی انبیاء
اور ملائکہ خدا کے علم کا مطلق احاطہ نہیں کر سکتے البتہ خدا جس چیز کا چاہتا ہے انہیں علم
عطا فرماتا ہے اور بھی آیتیں اس دعوے کی دلیل میں موجود ہیں۔

اللہ اور رسولؐ کو ایک ساتھ گواہ نہ ٹھہرائے

مسئلہ: اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اللہ اور رسولؐ اس
عمل پر گواہ ہیں تو وہ کافر ہو جائے گا اولیاء کو یہ قدرت نہیں ہے کہ وہ کسی معدوم
کو موجود یا موجود کو معدوم کر سکیں، پس پیدا کرنے یا نابود کرنے، رزق یا اولاد
کے دینے یا مصیبت یا مرض وغیرہ کو دور کر دینے کے نسبت ان (اولیاء) کی
طرف کرنا کفر ہے قل لا املک لنفسی نفعًا ولا ضرًا الا ما شاء اللہ یعنی
اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ فرما دیجئے کہ میں خود اپنے نفع اور ضرر پر قابو نہیں

رکھتا مگر جو کچھ خدا چاہتا ہے (وہی ہوتا ہے)۔

مسئلہ: نہ غیر خدا کی عبادت جائز ہے نہ غیر حق سے مانگنا جائز۔ ایاک نعبد و ایاک نستعین یعنی حق تعالیٰ نے بطور خاص بندوں کو تعلیم دی کہ وہ یوں کہیں یا الٰہی ہم محض تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں اپنی عبادات (کی ادائی) میں اور ہر ایک چیز میں ۔ اِیَّاکَ حصر کے لئے آیا ہے لہذا اولیاء کی نذر ماننا جائز نہیں کیونکہ نذر عبادت ہے اور اگر کسی نے (ایسی) نذر مان لی ہے تو اس کو پورا نہ کرے کیونکہ گناہ سے امکان بھر بچنا واجب ہے۔ اور قبروں کے اطراف چکر لگانا (بھی) جائز نہیں کیونکہ (یہ) طواف کی صورت ہے اور (بیت اللہ کا طواف نماز کا حکم رکھتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الطواف بالبیتِ صلوٰۃ یعنی طوافِ بیت اللہ نماز ہی کا حکم رکھتا ہے۔

دُعا صرف اللہ سے مانگے

مسئلہ: مردہ یا زندہ اولیاء اور انبیاء سے دُعاء مانگنا جائز نہیں، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الدعاءُ ھُوالعبادۃ یعنی اللہ سے دُعاء مانگنا عبادت ہے اور پھر یہ آیت تلاوت فرمائی وَقَالَ رَبُّکُمُ ادْعُونِیٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَھَنَّمَ دَاخِرِیْنَ حق تعالیٰ فرماتے ہیں تم مجھ سے مانگو میں تمہاری سنوں گا، یقیناً جو لوگ میری بندگی سے تکبر کرتے ہیں عنقریب وہ دوزخ میں ذلیل وخوار ہو کر داخل ہوں گے۔

غیر اللہ کو پکارنا شرک ہے

مسئلہ: بعض جہلا جو "یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ" یا "یا خواجہ شمس الدین پانی پتی شیئاً للہ" کہتے ہیں یہ جائز نہیں (بلکہ) شرک وکفر ہے اور اگر "یا الٰہی بحرمت خواجہ شمس الدین پانی پتی میری حاجت کو پورا فرما" کہے تو اس میں مضائقہ نہیں

حق تعالیٰ فرماتے ہیں وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ عِبَادٌ اَمْثَالُکُمْ یعنی اللہ کے سوا جس کسی سے بھی تم دعا کرتے ہو وہ تمہارے ہی طرح بندے ہیں انھیں یہ قدرت کہاں ہے کہ کسی کی حاجت پوری کریں۔ اور اگر کوئی یہ کہے یہ (آیت) کفار کے حق میں آئی ہے جو بتوں کو پکارا کرتے تھے تو اس کا جواب یہ دیا جائے گا کہ لفظ " دون اللہ" (اللہ کے سوا) عام ہے اور لفظ کا اعتبار کیا جائے گا نہ کہ مخصوص شان نزول کا۔ اور وہ جو حدیث میں آیا ہے ذکر الانبیاء من العبادۃ وذکر الصالحین کفارۃ وذکر الموت صدقۃ وذکر القبر یقربکم من الجنۃ یعنی انبیاء کا تذکرہ عبادت ہے اور صالحین یعنی اولیاء کا تذکرہ گناہوں کا کفارہ ہے اور موت کا تذکرہ کرنا صدقہ ہے اور قبر کا تذکرہ جنت سے قریب کر دیتا ہے (روایت کیا اس کو صاحب مسند الفردوس نے معاذ سے ضعیف سند کے ساتھ) وَذِکْرِ عَلِیٍّ عِبَادَۃٌ یعنی علی مرتضیٰ کا تذکرہ عبادت ہے (اس کو بھی روایت کیا صاحب مسند الفردوس نے حضرت عائشہؓ سے ضعیف سند کے ساتھ) اس ذکر سے مراد اُن (حضرات) کے اعلیٰ مراتب، احوال، اخلاق اور ان کی سیرت کا تذکرہ ہے تاکہ (اس کو سن کر) لوگ اِن کی محبت اپنے دل میں جمالیں کہ اس کا نتیجہ اللہ کی محبت ہے اور تاکہ ان کے احوال، اخلاق اور سیرت کی پیروی کرنے لگ جائیں اور اُن کے اطوار کی مخالفت سے کنارہ کش رہیں۔ البتہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اذان، اقامت، تشہد اور ان جیسے مواقع (عبادات) میں یاد کرنا عبادت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ یعنی اے محمدؐ ہم نے تمہارے ذکر کو تمہاری خاطر بلند کر دیا کہ کلمہ میں، اذان میں، تشہد میں ہمارے نام کے ساتھ تمہارا نام بھی آتا ہے اور کسی غیر کا نہیں، پس اگر کوئی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہتا ہے اور اس کے ساتھ علی ولی اللہ

یا ابوبکر ولی اللہ ملادیتا ہے تو اس پر تعزیر (سزا) ضروری ہوگی بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بھی کسی ایسے طریقے سے کیا جائے جو شریعت میں آیا ہے مثلاً کوئی شخص بطور وظیفہ کے یا محمد یا محمد کہے تو یہ جائز نہ ہوگا۔

ولی، نبی کے ادنیٰ درجہ کو نہیں پہنچ سکتا

مسئلہ ولی کبھی انبیاء کے ادنیٰ درجہ تک کو نہیں پہنچ سکتا

اس مسئلہ پر اجماع قائم ہو چکا ہے۔ لہذا یہ کہنا کہ ولایت، نبوت سے افضل ہے شرعاً باطل (جھوٹ) ہے اور یہ تاویل کہ خود نبی کی ولایت اس کی نبوت سے افضل ہے، یہ (بھی) کشف کی رو سے باطل ہے [1]

---

[1] مگر کشف حجت شرعی نہیں کہ اس کا ماننا ہر ایک پر واجب ہو یا نہ ماننے سے کوئی گنہگار ہو جائے البتہ خود صاحب کشف پر اس کا اس نوعیت کا کشف حجت ہو سکتا ہے ——— دراصل شیخ سعدالدین حمویہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول کہ "الولایت افضل من النبوت" (یعنی ولایت افضل ہے نبوت سے) اس قول کی تاویل حضرت شاہ شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمائی ہے شیخ کی مراد یہ ہے کہ خود نبی کی ولایت اس کی نبوت سے افضل ہے نہ یہ کہ مطلقاً ولایت نبوت سے افضل ہے (مکتوب (۱۰۰) جلد مکتوب دو صدی)۔ حضرت شاہ منیریؒ نے محض ایک شیخ عالی مقام سے بدگمانی دور کرنے کے لئے تاویل اختیار فرمائی ہے، خود انکا نہ یہ قول ہے نہ مسلک، جیسا کہ بہتوں نے سمجھ رکھا ہے حضرت شاہ منیریؒ نے ایک اور تفصیل مکتوب میں اپنے مسلک کی صاف وضاحت فرمادی ہے اور محض کشف سے نہیں بلکہ دلیل سے ثابت فرمایا ہے کہ بہر نوع نبوت ہی افضل ہے۔ دو جملے ملاحظہ ہوں:

انبیاء فاضل تراند از اولیاء از آنکہ نہایت ولایت بدایت نبوت است و جملہ انبیاء ولی باشند الا کسے از اولیاء نبی نباشد۔ مکتوب (۲۰) حصہ اول

انبیاء اولیاء سے افضل ہیں اس لئے کہ ولایت کی انتہا نبوت کی ابتداء ہے اور تمام انبیاء ولی ہوتے ہیں لیکن کوئی بھی ولی نبی نہیں ہو سکتا۔

[2] کھے ایک ایک شبہ کا جواب دیتے گئے ہیں۔

مسئلہ: کوئی ولی بھی نبی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا اور نہ اس سے شریعت کی ذمہ داریاں ساقط ہو سکتی ہیں بجز مجذوب کے کہ وہ عقل نہیں رکھتا کیونکہ عقل اور بلوغ احکام شریعت کی ذمہ داری کے لئے شرط ہے اور شرعی ذمہ داریاں انبیاء سے بھی ساقط نہیں ہوتیں بلکہ ان کی ذمہ داریوں کی کثرت اُن کے شرف (مرتبت) کی دلیل ہے۔ احکامات کا پہنچانا انبیاء پر واجب ہے، ایک روایت کے مطابق نماز تہجد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر واجب تھی اور ایک دوسری روایت کی رو سے چاشت کی نماز اور فجر کی سنتیں بھی (آپ پر) واجب تھیں۔

اولیاء کو معصوم سمجھنا کفر ہے

مسئلہ: عصمت صرف انبیاء کی خصوصیت ہے، اولیاء کو معصوم سمجھنا کفر ہے عصمت کے معنی اصطلاح میں یہ ہیں کہ اس شخص سے صغیرہ اور کبیرہ گناہ عمداً ہو یا سہواً اور دماغی فتور یا غفلت خواہ نیند میں ہو یا بیداری میں اور ہذیان (مجنونانہ بڑھ) یا نشہ کی سی کیفیت صادر ہونے کا امکان نہ ہو اور یہ صرف انبیاء کے لئے خاص ہے تاکہ ان کے معاملہ میں (وحی وغیرہ کے سلسلے میں) کوئی شبہ پیدا نہ ہو۔ یہ چیز غیر انبیاء کے متعلق کسی میں تصور کرنا اجماع کے خلاف ہے۔

صحابہ تمام اولیا سے افضل ہیں

مسئلہ: صحابہ تمام امت کے اولیاء سے افضل ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے کُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خَيْرُ القرون قرني ثم الذين يلونهم[1] اور اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ الصحابةُ كلهم عدول[2] عبداللہ ابن مبارک جو تابعی ہیں فرماتے ہیں الغبار

---

[1] یعنی بہترین زمانہ میرا ہے پھر اس کے بعد وہ جو میرے اہل زمانہ سے قریب ہوں مراد تابعین۔

[2] یعنی صحابہ سب کے سب عدل پر ہیں۔

الذی دخل انف فرس معاویۃؓ خیر من اویس القرنی وعمر المروانی

یعنی جو غبار کہ حضرت معاویہؓ کے گھوڑے کی ناک میں (اڑکر) آگیا وہ اویس قرنیؒ اور عمر مروانیؒ سے (مرتبہ میں) بہتر ہے۔

قبروں پر گنبد، عرس، چراغاں وغیرہ بدعت ہے

مسئلہ: اولیاء کی قبروں کو بلند کرنا اور ان پر گنبد بنانا اور عرس وغیرہ کرنا اور چراغاں وغیرہ کرنا سب کچھ بدعت ہے ان میں کی بعض باتیں تو حرام ہیں اور بعض مکروہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر شمع جلانے والوں اور ان کو سجدہ کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے اور ارشاد فرمایا کہ میری قبر کو میلہ کی جگہ (عید) اور مسجد نہ بنانا کیونکہ مسجد میں سجدہ کیا کرتے ہیں اور عید کا دن سال میں ایک بار اجتماع کے لئے مقرر ہوتا ہے۔ رسول کریم (علیہ الصلوٰۃ والتسلیم) نے علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ بلند قبروں کو برابر کر دیں اور جہاں کہیں تصویر پائیں اس کو مٹا دیں۔

مسئلہ: سنت (قبرستان میں) یہ کہ (یوں) کہے اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَاِنَّا اِنْ شَآءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَلَاحِقُوْنَ نَسْاَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ

وصیتِ قاضی ثناء اللہ رحمۃ اللہ

مترجم کتاب عفی عنہ کی طرف سے اس جگہ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی قدس سرہٗ کے وصیت نامہ کی ایک عبارت موقع کی مناسبت سے نقل کی جاتی ہے (یہ وصیت نامہ کلمات طیبات شائع کردہ مطبع مجتبائی دہلی کے صفحہ (۱۵۴) پر درج ملیگی)۔ ملاحظہ ہو:

بعد مردن من رسوم دنیوی مثل دہم و بستم و چہلم و ششماہی و برسی ہیچ نہ کنند کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ از سہ روز ماتم کردن

میری وفات کے بعد دنیوی رسوم جیسے دہم بستم، چہلم، ششماہی اور برسی کوئی چیز نہ کریں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن

جائز نداشته اند حرام ساخته اند و از گریه و زاری زناں منع بلیغ می نمایند در حالت حیات خود فقیر از این چیزہا راضی نبود و بہ اختیار خود کردن نداده و از کلمه و درود و ختم قرآن و استغفار و از مال حلال صدقه بفقراء باخفاء امداد فرمایند کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمودہ المیت فی القبر کالغریق المتغوص ینتظر دعوۃ ماتلحقہ من اب او اخ او صدیق ۔"

سے زائد غم کرنے کو جائز نہیں کہا بلکہ حرام قرار دیا ہے اور عورتوں کے رونے چلانے کو تاکید سے منع فرمایا ہے فقیر اپنی زندگی میں ان باتوں سے خوش نہ تھا اور کبھی اپنے اختیار سے ان میں سے کوئی بات نہیں کی البتہ کلمہ، درود، ختم قرآن استغفار اور پوشیدگی کے ساتھ فقراء میں حلال مال خیرات کرکے میری امداد فرمائیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ۔ قبر میں میت کی حالت غوطہ کھانے والے کی ہے جو باپ، بھائی اور دوست کی دعا کا منتظر ہو!

زیارت قبور کا طریقہ

مسئلہ: پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء کرام کی زیارت کے وقت مستحب ہے کہ کامل طہارت (یعنی وضو بھی) رہے اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے متبعین پر روضہ یا مقبرہ پر آنے سے پہلے اعمال صالحہ میں سے نماز یا روزہ یا خیرات جو خالص اللہ کی نیت سے کیا ہو اور اس کا ثواب (صاحب قبر کی روح کو) ایصال کرے اور اپنے دل کو حاضر[1] رکھے اور خشوع اور رقت کے ساتھ بارگاہ الہی سے ان (اہل قبور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا اولیاء کرام) کی محبت اور ان جیسی اتباع سنت (کی توفیق) مانگے اور اگر خود صاحب نسبت ہے تو خود کو (یعنی اپنے دل کو افکار اور خطرات اور خیالات سے) خالی کرکے مراقب ہو کر صاحب قبر سے فیض لینے کے لئے حالت انتظار میں بیٹھ جائے البتہ قبروں کے پاس قرآن پڑھنے میں اختلاف ہے لیکن صحیح یہی ہے کہ (قرآن پڑھنا) جائز ہے۔

---

[1] حاضر رکھنے سے مراد یہ ہے کہ خیالات و افکار سے خالی کرکے دل کو پوری طرح حق تعالیٰ کی طرف متوجہ رکھے گویا وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے۔

تیسرا باب

کاملوں اور مرشدوں کے آداب

فصل - کاملوں کے لئے بھی طلب مزید ضروری ہے

خدائے تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے میں قناعت کسی وقت بھی نہیں ہونی چاہیئے۔ بارگاہ الٰہی میں جیسا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کیا تھا خود بھی (بھکاری بن کر) سوال کرے رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا یعنی اے پروردگار میرے علم کو اور بڑھا۔ اور مجاہدۂ (نفس) میں نہ کمی کرے نہ (اعمالِ مجاہدہ میں) خلل آنے دے کہ جب تک جان میں جان ہے مجاہدہ (کی ضرورت) باقی ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اپنے پروردگار کی عبادت میں لگے رہیئے یہاں تک کہ موت آجائے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم راتوں میں اتنا قیام (نماز) فرماتے تھے کہ آپ کے دونوں پائے مبارک ورم کر گئے۔ لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ قَدْ غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ یعنی یقیناً خدائے تعالیٰ نے آپ کے پچھلے اور اگلے سب گناہ معاف فرما دئے (اور یہاں گناہ سے مراد صرف ترک اولیٰ ہے) (حضورؐ نے) فرمایا اَفَلَا اَكُوْنَ عَبْدًا شَكُوْرًا یعنی کیا میں (اللہ کا) شکر گذار بندہ نہ بنوں؟ کہ اس نے میرے ساتھ کرم کا یہ معاملہ فرمایا۔

کامل بھی چھوٹے بڑے سے فیض حاصل کرے

مسئلہ: ایک کامل اگر اپنے سے کامل تر کو دیکھے تو اس سے فیض حاصل کرے بلکہ اپنے سے کمتر (درجہ والے) میں بھی کوئی فضیلت کی خصوصیت دیکھے تو اس کو بھی حاصل کرے جیسے کہ موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے (تکوینی علم) حاصل فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو درود سکھلایا اَللّٰھُمَّ صلی علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد کما صلّیت علیٰ ابراھیم وعلیٰ آل ابراھیم۔ یعنی الٰہی رحمت نازل فرما محمد اور آلِ محمد پر جیسے کہ تو نے ابراہیم اور آلِ ابراہیم پر رحمت نازل فرمائی ــــ حضرت مجدد (الف ثانی) رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مبدء تعین محض محبوبیت ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مبدء تعین خُلّت[1] ہے جو تعین محمدی کے مرتبہ کا زینہ ہے جو ولایتِ محمدی پر فائز ہے اس کو ولایت ابراہیمی ضرور حاصل ہے کیونکہ یہ اس کا (یعنی ولایت محمدی کا) زینہ ہے اور ہر چند کہ مقام خُلّت خود ایک بہت ہی بڑی فضیلت کا مقام ہے مگر محبوبیت مطلقہ کا چونکہ تقاضہ یہ ہے کہ محبوب زینہ کے درجہ پر ٹھیرا نہ رہ جائے اس لئے رب العالمین نے چاہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض پیرو مقام خلت کی فضیلت حاصل کر کے اس سے آگے بڑھ جائیں تاکہ وہ منصب عالی (یعنی مقام خلت) ان محبوبوں کے سردار صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر نگین (اب بھی باقی) رہے کیونکہ مقولہ عرب کے مطابق "غلام اور اس کی ہر چیز اس کے آقا ہی کی ملک ہوتی ہے"

---

[1] قرآن پاک میں ہے: وَاتَّخَذَ اللّٰہُ اِبْرَاھِیْمَ خَلِیْلًا یعنی اللہ نے ابراہیم کو اپنا خلیل (دوست) بنایا۔

(غلامانِ محمدی کا آگے بڑھنا درحقیقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا طفیل و صدقہ ہے اس لئے یہ دراصل آپ ہی کے کمال کا ظہور ہے ۔)

حق تعالیٰ نے ہزار سال کے بعد یہ دعا قبول فرمائی اور حضرت مجدد کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک متبع ہیں آں سرور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کے طفیل میں اس مقام سے سرفراز فرمایا ۔ نادان لوگ حضرت مجددؒ کے اس قول پر اعتراض کرتے ہیں۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم — چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

"اگر کوئی چمگاڈر صفت آدمی دن کی روشنی میں دیکھ نہیں پاتا تو اس میں آفتاب کا جو چشمۂ نور ہے کیا قصور ہے؟"

ترمذی اور ابن ماجہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کلمة الحکمة ضالة المومن فحیث وجدھا فھو احق بھا ، یعنی دین کی بات مومن کی ایک گم شدہ چیز ہے ، جہاں کہیں مل جائے وہ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ حاصل کرلے !

مسئلہ: وہ کامل درجہ کے | کامل خود کو مربیانہ خدمت کے لئے پیش کرے

اولیاء جو دوسروں کی ہدایت اور تکمیل کی قدرت رکھتے ہیں اُن کو چاہیئے وہ اپنے آپ (بلا تکلف و تامل) لوگوں کی اس خدمت کے لئے پیش کریں تاکہ لوگ اُن سے فیض اٹھا سکیں اور (اس سلسلہ میں) لوگوں کی طعنہ زنی یا نکیر کی پرواہ نہ کریں ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لَا یَزَالُ مِنْ اُمَّتِیْ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ بِاَمْرِ اللّٰہِ لَا یَضُرُّھُمْ مَنْ خَذَلَھُمْ وَلَا مَنْ خَالَفَھُمْ یعنی میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ ایسی رہے گی جو اللہ کے کام یعنی دین کی ترویج اور لوگوں کی ہدایت و اصلاح

بر کربستہ رہے گی اور اُن کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا اگر کوئی ان کا ساتھ نہ دے یا مخالف ہو جائے لوگوں کو اللہ کی طرف بلانا یہ انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے اور اولیاء انبیاء کی نیابت میں یہ کام کرتے ہیں اور احمقوں کی نکیر (واعتراض) کی وجہ سے وہ اپنے اس بلند منصب (ذمہ داری) کو ترک نہیں کر دیتے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ یعنی (اے پیغمبر) لوگ اگر آپ کو جھٹلائیں تو آپ مغموم نہ ہوں تحقیق کہ آپ سے پہلے بھی پیغمبروں کو اسی طرح جھٹلایا گیا ہے حالانکہ وہ اپنے ساتھ اپنی نبوت کی گواہیاں معجزات نورانی کتابوں کی صورت میں لے آئے تھے ــــــ

حدیث (شریف ہے) فضل العالم علی العابد کفضلی علی ادناکم ان اللہ وملائکتہ واھل السمٰوٰت والارض حتی النملۃ فی حجرھا و حتی الحوت فی الماء یصلون علی معلم الناس الخیر (روایت کیا اس کو ترمذی نے ابو امامہ باہلیؓ سے) یعنی ایک عالم (باعمل) کی فضیلت ایک (نرے) عابد پر ایسی ہے جیسے مجھے تم کے ادنی (مومن) پر حاصل ہے۔ خدائے تعالیٰ اور فرشتے اور آسمان و زمین کے اندر جو بھی مخلوق ہے چونٹی اپنے سوراخ میں مچھلی پانی میں اس شخص پر رحمت کی دعا کرتی ہے جو لوگوں کو بھلائی (ہدایت) کی تعلیم دیتا ہے ۔

جھوٹا مدعی مشیخت شیطان کا خلیفہ ہے

مسئلہ : جو شخص ولایت اور ارشاد (وہدایت) کا جھوٹا دعویٰ کرتا ہے اور اس سے اس کا مقصود عزت حکومت اور مال حاصل کرنا ہوتا ہے وہ دراصل شیطان کا خلیفہ ہے جیساکہ مسیلمہ کذاب[1] تھا وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى

---

[1] مسیلمہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد اپنی نبوت کا دعوی کیا تھا۔ اسی لئے اس کا لقب کذاب پڑ گیا اور وہ قتل کر دیا گیا ۔

عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْئٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ۔ اور اس سے بڑھ کر اپنی جان پر ظلم کرنے والا کوئی نہیں جو خدائے تعالیٰ پر بہتان باندھے یا یہ کہے کہ میں نازل کروں گا (کوئی کتاب) جیسے کہ خدائے تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے ــــ ایسا شخص (لوگوں کو شیطان کی طرح اللہ کے راستے سے دور کرنے والا ہے۔ اللہ اس سے پناہ میں رکھے۔

اولیاء کو اظہار جائز ہے

مسئلہ: اولیاء کے لئے روا ہے کہ وہ اس انعامِ الٰہی کو جو ان پر ہوا ہے یا جو مرتبہ (ولایت اور درجۂ قرب خود حق تعالیٰ نے اپنے فضل سے ان کو عطا فرمایا ہے اس کا اظہار (لوگوں پر) کریں۔ چنانچہ غوث الثقلین (حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ) کے قصائد اور مجدد الف ثانی (شیخ احمد سرہندی قدس سرہ) کے مکاتیب اور شیخ اکبر (شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ) کی تصانیف (اس قسم کے اظہار سے) بھری پڑی ہیں، کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وَاَمَّا بِنِعْمَتِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ہ یعنی پروردگار کی نعمتوں کا ذکر کرو، رسول کریم صلی علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّ الْحَدِيْثَ بِالنِّعْمَةِ شُكْرٌ یعنی نعمت کا ذکر (لوگوں سے) کرنا یہ نعمت کا شکر ادا کرنا ہے اور بیہقی نے اس حدیث پر یہ اضافہ کیا ہے وَتَرْكُهٗ كُفْرٌ یعنی نعمت کا اظہار نہ کرنا نعمت کا کفران ہے، اور ابن جریر نے اپنی تفسیر میں ابی بسرہ غفاری رضی سے روایت کی ہے کہ مسلمان یعنی صحابہ (رضوان اللہ علیہم) یہ جانتے تھے کہ نعمت کا شکر یہ ہے کہ اس کا اظہار کیا جائے کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ یعنی اگر شکر کروگے تو نعمت کو اور زیادہ کروں گا اور اگر نعمت کا کفران کروگے تو تحقیق کہ میرا عذاب بہت سخت ہے۔۔ حق تعالیٰ نے کفران نعمت کے عذاب کو شدید فرمایا ہے اور دیلمی نے فردوس میں اور ابو نعیم نے حلیہ میں روایت

کی ہے کہ عمر بن خطابؓ ممبر پر تشریف لائے اور فرمایا الحمد للہ الذی صیرنی بحیث لیس فوقی احد یعنی تعریف صرف خدا کو سزاوار ہے کہ جس نے مجھ کو ایسا کر دیا کہ (آج) مجھ سے عالی مرتبہ کوئی نہیں ہے۔ پھر ممبر سے نیچے اُتر آئے۔ لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی (کہ بس ایک جملہ فرما کر کیوں ممبر سے اُتر آئے؟) فرمایا میں نے جو کچھ کہا محض نعمت کے شکرانے کے طور پر تھا۔

ابن ابی حاتم نے مقیم سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت حسن بن علی (رضی اللہ عنہما) سے ملاقات کی اور مصافحہ کیا اور ان سے اس آیت کی تفسیر دریافت کی، وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ۔ فرمایا کہ ایک مسلمان اگر کوئی نیک کام کرے تو اس سے اپنے گھر والوں کو آگاہ کر دے، اس (اظہار نعمت اور ادائے شکر) کے بارے میں احادیث اور صحابہ اور سلف صالحین کے اقوال بے شمار ہیں۔

تحدیث نعمت اور اظہار نفسانی میں فرق

اگر کہا جائے کہ حق تعالیٰ نے تو اپنے نفس کی برأت اور فخر کرنے کو منع فرمایا ہے کہ لَا تُزَكُّوْا اَنْفُسَكُمْ یعنی اپنے نفس کو پاک نہ ظاہر کرو، اس کا جواب یہ دیا جائے کہ نفس کو پاک ظاہر کرنا اور کسی نعمت کا اظہار کرنا صورتاً (یعنی بہ ظاہر) ایک سے معلوم ہوتے ہیں لیکن درحقیقت یہ دونوں الگ ہیں، اگر کمالات کی نسبت اپنے نفس کی طرف کرے اور حق تعالیٰ کی طرف اس کی جو نسبت ہے اس کو یاد نہ رکھے تو یہ نفس کی برأت (یا تزکیہ) ہے اور بدترین تکبر ہے اور اگر ان (کمالات) کی نسبت خدائے تعالیٰ کی طرف کرتا ہے اور خود کو اصلاً شر (و فساد) کا منبع سمجھتا ہے اور ان کمالات سے خود کو محض عاریۃً اور محض اللہ کے حول و قوت کی وجہ سے متصف سمجھ کر شکرِ الٰہی بجا لائے تو اس کو اظہارِ نعمت کہتے ہیں ان دونوں معنوں میں اگرچہ عوام کے نزدیک یکسانی ہو مگر خدائے تعالیٰ کے نزدیک یہ ایک سے نہیں ہیں وَاللہُ

يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ اور اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ منافق مخلص سے الگ ہے۔

اولیاء سے بدگمانی نہ رکھے اولیاء اللہ جو کہ نفس کے رذائل سے پاک ہیں ان کے متعلق نعمت کے اظہار کے سوا (جو کہ بطور شکر ہوتا ہے) کوئی اور بات تصور نہیں کی جا سکتی (مثلاً یہ کہ وہ بطور فخر اپنا کوئی کمال بیان کر رہے ہوں) اس لئے اگر یہ بات (اظہار نعمت) اگر متقی لوگوں سے ظاہر ہو تو اس پر اعتراض نہ کرنا چاہیئے کیونکہ نیک گمان لازم کر دیا گیا ہے۔ لیکن مرید کو چاہیئے کہ نفس کے مکر و فریب سے مطمئن نہ رہے اور نہ اپنی خوبیوں کو نگاہ میں لائے بلکہ اپنے نفس کو ہمیشہ ملامت کرتا رہے اور تکمیل کے مرتبہ کو پہنچ جائے اور بزرگوں کی شہادتیں ملیں اور مسلسل الہام ہونے لگ جائیں تو اس وقت (البتہ) نعمت کا اظہار کرے تاکہ لوگ اس کا رتبہ پہچان کر اس سے استفادہ کریں اور ان کمالات کے حاصل کرنے کا شوق ان کو پیدا ہو جائے (جو اس تکمیل یافتہ ہستی میں نمایاں ہیں):-

فصل۔ اس بیان میں کہ پیر کو مرید کے ساتھ کیسا سلوک رکھنا چاہیئے؟

ترحم اور نرمی چاہیئے کہ شیخ طریق سلوک کے ظاہر کرنے میں حریص ہو اور مہربان اور شفیق ہو کہ یہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صفتیں ہیں۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ بلاشبہ رسول تمہارے ہی جنس سے آیا سخت گزرتی ہے اس پر تمہاری رنجیدگی، وہ تمہاری ہدایت کا بڑا حریص ہے اور مسلمانوں پر بہت ہی مہربان ہے۔ —— (پیر) پیر کو ترش رو نہ ہونا چاہیئے

اور مریدوں کو بجز دینی مفاد کے ڈانٹ ڈپٹ نہ کرے، نصیحت نرمی اور شفقت سے کرے اور سخت کلامی نہ کرے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی طریقہ رہا ہے اور ان (مریدوں) کی کوتاہیاں اگر اپنی ذات کے بارے میں دیکھے تو معاف کر دیا کرے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا یعنی ان کو چاہیئے کہ معاف کر دیا کریں اور (لوگوں) کی کوتاہیوں سے درگذر کیا کریں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ یعنی پس اللہ کی اس رحمت کے سبب جو آپ پر ہے آپ ان لوگوں پر نرم ہیں اور اگر آپ اُن پر ترش رو اور سخت دل ہوتے تو بلاشبہ وہ آپ کے اطراف سے منتشر ہو جاتے، بس آپ ان کی کوتاہیوں کو معاف فرما دیجئے اور اللہ سے ان کی معافی طلب کیجئے اور دینی امور میں ان سے مشورہ فرمایا کیجئے ــــ خدا کے طالبوں کو مخلوق کی رضا جوئی کیلئے دور کر دینا حرام ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ یعنی خدا کی صبح و شام یاد کرنے والوں کو اپنے سے دور نہ کیجئے ــ آیت کے اس ٹکڑے سے حق تعالیٰ کے اس قول تک کہ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُونَ مِنَ الظّٰلِمِينَ ہ یعنی اگر آپ نے انہیں دور کیا تو ظالموں میں سے ہوں گے۔

بے طمعی اور مریدوں سے مالی یا بدنی منفعت کی توقع نہ رکھے کیونکہ لوگوں کی دینی و عرفانی رہنمائی ایک عبادت ہے اور عبادت پر اجرت لینا جائز نہیں ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ یعنی اُن سے نگاہ ہرگز نہ پھیر دو کیا تم دنیا کی زینت پسند کرتے ہو؟ اور ہدایت کی انجام دہی میں اجر کی نیت اللہ کے سوا کسی اور سے نہ رکھے۔ قُلْ لَا أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللهِ یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

آپ فرما دیجئے کہ میں تم سے کوئی اجرت نہیں چاہتا۔ میری جزا تو بس اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہے۔

صبر و تحمل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق کی ایذاء رسانی پر صبر فرماتے تھے رحمہ اللہ تعالیٰ اخی موسیٰ لقد اوذی اکثرھم من هذا فصبر۔ یعنی اللہ تعالیٰ میرے بھائی موسیٰ پر رحم فرمائے کہ وہ اس سے بھی زیادہ ستائے گئے اور انھوں نے صبر کیا ۔۔ ہمارے حضرت شہید میرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مرشد حضرت سید نور محمد بدایونی رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے کہ ایک شخص اپنے آپ کو اُن کے مریدوں میں ظاہر کرتا تھا ایک دن اس شخص نے بدبختی سے حضرت کی خدمت میں سخت بے ادبی کی اور بہت بُرا بھلا کہا۔ حضرت نے جواب میں کچھ نہ فرمایا، دوسرے دن وہی شخص آیا تا کہ حضرت سے توجہ لے اور (روحانی) فائدہ اٹھائے۔ میں نے (یعنی میرزا مظہر جان جاناں نے) چاہا کہ اسے سزا دوں، حضرت نے مجھے منع فرمایا اور اس شخص پر توجہ فرمائی ٹھیک اسی طرح جس طرح دوسرے اہل اخلاص پر توجہ فرما رہے تھے۔ اس فقیر کو اس بات سے بڑی گھٹن محسوس ہوئی اور میں نے عرض کی کہ حضرت اس شخص کو آپ نے تمام اہل اخلاص کے برابر کیسے قرار دیا؟ حضرت نے فرمایا کہ اے مرزا صاحب! اگر میں اس پر لعنت ملامت کرتا اور اس کو توجہ نہ دیتا تو حق تعالیٰ مجھ سے پوچھتا کہ میں نے تیرے سینہ میں ایک نور رکھا تھا اور میرا ایک بندہ اس نور کا طالب بن کر تیرے پاس آیا تو تو نے اس کو کیوں محروم رکھا؟ تو میں اس کا جواب یہ کیسے دے سکتا کہ اے اللہ اس نے مجھے برا بھلا کہا تھا اس لئے میں نے اس کو محروم رکھا؟ اور کیا میرا یہ جواب قبول ہو جاتا؟ (میرزا صاحب فرماتے ہیں کہ) میں اسی گھٹن کے ساتھ کچھ دیر خاموش رہا۔ اس کے بعد حضرت

نے ارشاد فرمایا کہ اے بابا اگرچہ میں نے اس کو مخلصوں ہی کی طرح توجہ دی، لیکن حق تعالیٰ مخلص اور منافق کو برابر کب کریں گے وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ کام کا انجام تو بس حق تعالیٰ کے ہاتھ ہے، فیض تو صرف مخلص اور باادب دوستوں ہی کو پہنچتا ہے —— یہ قصہ اسی نوعیت کا ہے جیسے کہ عبداللہ بن اُبی بن سلول منافق کے جنازہ کا واقعہ ہے کہ اس نے بار با آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گستاخیاں کی تھیں، مگر اس کا لڑکا جو ایک مخلص مومن تھا، اس نے (محبت پدری سے مغلوب ہوکر) جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے التجا کی اس کی نماز جنازہ پڑھا دیں اور اس کے لئے مغفرت کی دعا فرمائیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے مگر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حائل ہو کر عرض کی کہ یا رسول اللہ یہ تو وہی شخص ہے جس نے فلاں دن یہ گستاخی کی اور فلاں دن یہ گستاخی کی اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ یعنی اگر آپ منافقین کے لئے ۷۰ مرتبہ بھی دعائے مغفرت فرمائیں تو بھی اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز معاف نہیں کرے گا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کی بات پر توجہ نہیں فرمائی اور فرمایا کہ میں اس شخص کے لئے ستر بار سے زیادہ استغفار کروں گا، آخرکار آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نماز جنازہ پڑھائی مگر حق تعالیٰ نے اس منافق کے حق میں آپ کے استغفار کو قبول نہیں فرمایا اور یہ آیت نازل فرمائی وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ یعنی منافقین میں سے کسی کی بھی نماز جنازہ آپ نہ پڑھائیے اور نہ اس کی قبر پر کھڑے رہیئے (دعائے استغفار کے لئے) پھر دوسری آیت بھی نازل ہوئی اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ یعنی آپ منافقین

کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا۔ اس کے بعد پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی منافق کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی۔

باوقار رہے

مسئلہ: صاحب مسند ارشاد (یعنی پیر طریقت) کو چاہیئے کہ باوقار رہے اور نہ گھر گھر گھومے اور نہ (خواہ مخواہ کے) میل جول بڑھائے کیونکہ اگر اس کی عظمت مرید کی نگاہ میں کم ہوگی تو مریدوں پر فیض کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ روایت آتی ہے کہ من یراہ عن بعید ھابہ ومن یراہ عن قریب احبہ یعنی جو آنحضرت کو دور سے دیکھتا اس پر آپ کی ہیبت طاری ہوتی اور جو جو قریب سے دیکھتا اس کے دل میں آپ کی محبت جم جاتی تھی۔

اہل طلب کا زیادہ خیال کرے

مسئلہ: یہ بھی ہے کہ اپنے بعض مریدوں کو بعض پر ترجیح نہ دے بجز اس کے کہ کسی کے اندر خدائے تعالیٰ کی طلب زیادہ ہو۔ ابن ام مکتوم ایک نابینا صحابی تھے وہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ یا رسول اللہ مجھے وہ علم سکھائیے جو حق تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا ہے (اتفاقاً) اس وقت قریش کے سردار آپ کے حضور بیٹھے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ ترغیب اور ترہیب کے ذریعہ دعوتِ حق میں مشغول تھے۔ آپ نے ابن ام مکتوم کے جواب میں کچھ نہیں فرمایا چونکہ ابن ام مکتوم نابینا تھے اس لئے بار بار اپنی بات دہراتے رہے مگر آنحضرت نے ان کی بات پر توجہ نہیں فرمائی اور اس میں آپ کی مصلحت یہ تھی کہ اگر یہ سرداران قریش ایمان لے آئے تو ایک بڑی جماعت اسلام میں داخل ہو جائے گی اور ابن ام مکتوم تو مخلص مسلمان تھے ہی، ان کی تعلیم میں

دیر کا بھی مضائقہ نہیں تھا، اس کے باوجود (حق تعالیٰ کی طرف سے) متنبہ فرمایا گیا عَبَسَ وَتَوَلّٰی اَنْ جَاءَهُ الْاَعْمٰی ہ کہ جب اس کے (یعنی آنحضرتؐ کے) پاس نابینا آیا تو اس نے ترشروئی سے کام لیا اور روگردانی کی؛ اس طرح کی آیت یہ جتلانے کے لئے نازل کی گئی کہ جو خدا کا زیادہ طالب ہو اس کی تعلیم (و تلقین) میں کوشش بھی زائد ہونی چاہیئے حق تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام سے فرمایا یَا دَاوٗدُ اِذَا رَاَیْتَ لِیْ طَالِبًا فَکُنْ لَهٗ خَادِمًا یعنی اے داؤد جب تو کسی کو میرا طالب پائے تو تو اس کا خادم بن جا۔

بدگمانی کا موقع فراہم نہ کرے

مسئلہ: صاحب ارشاد کو یہ بھی چاہیئے کہ کوئی ایسی حرکت نہ کرے کہ جس سے مخلوقِ خدا اس سے بدگمان ہو جائے۔ چنانچہ ملامیتہ فرقہ کے لوگوں نے یہی کر رکھا ہے اس سے ہدایت وارشاد کے کاروبار میں خلل پیدا ہوتا ہے اور اسی لئے صوفیاء کا مقولہ ہے کہ رِیَاءُ الْکَامِلِیْنَ خَیْرٌ مِّنْ اِخْلَاصِ الْمُرِیْدِیْنَ [1] کیونکہ منصب ارشاد ایک بلند منصب ہے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا۔ تحقیق کہ ہم نے آپ کو امت کے اعمال پر گواہ بنا کر بھیجا اور اس لئے بھی تاکہ نیک لوگوں کو آپ خوشخبری سنائیں اور

---

[1] کامل بزرگوں کا اظہارِ عمل، مریدوں کے خلوصِ اخفا سے بہتر اور افضل ہے۔

اور بدوں کو دوزخ سے ڈرائیں اور تاکہ آپ اللہ کے حکم سے لوگوں کو اس کی طرف بلائیں اور ایک روشن چراغ رہیں ـــــ ہدایت کے کام کا ثواب تمام عبادتوں کے ثواب سے زیادہ ہے۔ دارمیؒ نے حسن بصریؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بنی اسرائیل کے دو آدمیوں کا حال پوچھا گیا جن میں سے ایک عالم تھا جو صرف فرض نماز ادا کرتا تھا اور باقی سارے وقت مخلوق کی تعلیم میں مصروف رہتا تھا۔ دوسرا ساری رات قیام کرتا تھا اور ہمیشہ روزہ رکھتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس عالم کا درجہ اس عابد سے اتنا ہی زیادہ بلند ہے جیسے مجھے تم میں کے ادنیٰ شخص پر فضیلت حاصل ہے۔

چوتھا باب

قربِ الٰہی کے اسباب اور ان میں ترقی

قرب کی اصل جذبِ الٰہی ہے

سمجھ رکھو کہ قربِ الٰہی کی علت "جذب" یعنی وہ کشش "ربانی" ہے جو بندہ کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ بلا واسطہ اور بالواسطہ جذب! یہ کشش کبھی تو بلا کسی واسطہ اور ذریعہ (مثلاً مجاہدہ و ریاضیت وغیرہ) کے ہوتی ہے اور اس کو "اجتباء" کہتے ہیں اور اکثر کسی ذریعہ سے ہوتی ہے اور وہ ذرائع و توسط استقرائی طور پر دو ہیں، ایک عبادت دوسرے ایسے انسان کی صحبت جو کامل و مکمل (دوسرے کو کمال تک پہنچانے والا) پس جو جذبِ الٰہی عبادت کے واسطہ سے حاصل ہو اس کو "ثمرۂ عبادت" کہتے ہیں اور جو صحبت (کامل) کے نتیجہ میں ہو اس کو تاثیرِ شیخ" کہا جاتا ہے۔ یہ گفتگو "علت فاعلی" کے اعتبار سے ہے (یعنی اس اعتبار سے کہ نفع رسانی میں فاعل یعنی پیر کے موثر ہونے کو ملحوظ رکھا جائے) اور "علت قابلی" (یعنی مرید کے نفع حاصل کرنے کی استعداد) تو یہ (مرید کی وہ) استعداد ہے جو حق تعالیٰ نے ایک انسان میں رکھی ہے، جس کا ذکر کلام مجید میں فرمایا گیا ہے کہ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا یعنی یہ خدا کی تخلیق ہے کہ اس نے انسان کو ایک خاص استعداد کے ساتھ پیدا فرمایا ہے اور حدیث میں آیا ہے مامن مولود الا یولد علی الفطرۃ ثم ابواہ یھودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ یعنی کوئی بچہ پیدا نہیں ہوتا بجز اسلامی اہلیت (واستعداد) کے

پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔
انسانی استعدادیں الگ الگ ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں الناس معادن کمعادن للذھب والفضۃ یعنی انسان کان ہے مثل سونے اور چاندی کے کانوں کے کہ کسی جگہ سے سونا حاصل ہوتا ہے اور کسی جگہ سے چاندی اور کسی جگہ سے لوہا وغیرہ۔

رذائل نفس قرب میں حائل ہیں

اللہ تعالیٰ کے قرب میں حائل ہونے والی چیز نفس کے رذائل ہیں اور عناصر (ہوا، مٹی، پانی، آگ جن سے انسان کا جسم مرکب ہے) کے ذاتی اثرات اور عالم امر کے لطائف (یعنی قلب، روح، سر، خفی اور اخفیٰ) کی غفلت (یعنی کثرت ذکر الٰہی سے ان کا بیدار نہ رہنا) ہے اور جس طرح عبادت اور انسان کامل کی صحبت قرب الٰہی کے حصول کی علت (وسبب) ہیں اسی طرح یہی دو چیزیں ان موانع (قرب الٰہی) کے دور کرنے کا بھی سبب ہیں۔

فصل سیر آفاقی وانفسی کے بیان میں

مذکورہ بیان سے یہ بات واضح ہو گئی کہ درجہ کمال کو حاصل کرنے کے لئے ناقصوں کو دو باتوں سے مفر نہیں ہے ایک تو عبادات پر عمل پیرا ہونا اور عبادتیں اور ریاضتیں بھی وہ جو کہ شیخ کامل مکمل کی تجویز کے موافق ہوں جس سے موانع (یعنی نفس کے رذائل) بھی دور ہو جاتے ہیں اور نفس اور عناصر کا تزکیہ بھی ہو جاتا ہے اور عالم امر کے لطائف کا تصفیہ بھی! کیونکہ (یہ ناقص لوگ) عالم خلق کے لطائف (نفس اور قالبیہ) کی صحبت میں رہتے رہتے تاریک ہو چکے ہوتے ہیں اور خود کو اور اپنے خالق کو بھول چکے ہیں۔ دوسرے شیخ کامل ومکمل کا جذب جو قرب الٰہی

کی نسبت عطا کرتا ہے اور پستی سے بلندی تک پہنچا دیتا ہے اور اولیاء کرام اکثر طریق سلوک کو جذب پر مقدم رکھتے ہیں اس لئے کہ موانع کا ہٹانا مقاصد کے حاصل کرنے سے مقدم سمجھتے ہیں۔ پس مرید کو اذکار نفس کے مجاہدہ کی تاکید کرتے ہیں خود کو اس کی امداد کے لئے متوجہ رکھتے ہیں تاکہ عالم امر کے لطائف مزکّٰی اور مصفا ہو جائیں اور نفس توبہ و انابت کے ذریعہ پسندیدہ اخلاق (مثلاً زہد، صبر، توکل، رضا اور پورے دس مقامات (اخلاق) سے متصف ہو جائے، اب سالک قرب الٰہی کی استعداد پیدا کر لیتا ہے اس وقت شیخ اس کو حق تعالیٰ کی طرف منجذب کر کے قرب الٰہی عطا فرماتا ہے۔ ایسے سالک کو "سالکِ مجذوب" کہتے ہیں اور اس سیر (سلوک) کو "سیر آفاقی" کہتے ہیں کیونکہ یہ بزرگ عناصر اور نفس اور عالم امر کے لطائف کے تزکیہ کی تاکید نہیں فرماتے ہیں تاکہ وہ عالم مثال میں اپنے آپ کو نفس سے جدا نہ پائے ——— ہر لطیفہ کا ایک نور ہے، جب تک وہ نور ظاہر نہیں ہوتا اس وقت تک اس لطیفہ کو صاف شدہ تسلیم نہیں کرتے

قلب کے لئے نورِ زرد
روح کے لئے نورِ سرخ
سِر کے لئے نورِ سیاہ
خفی کے لئے نورِ سفید
اور اخفیٰ کے لئے نورِ سبز

بتلایا جاتا ہے ——— چونکہ یہ سیر بہت لانبی اور مشقت سے پُر ہے اس لئے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ صوفی اثنائے سلوک میں مر جاتا اور سلوک سے ناکام چلا جاتا ہے

اسی لئے

حق تعالیٰ نے حضرت خواجہ نقشبند کو سلوک پر جذب مقدم رکھنے کا الہام فرمایا یہاں مرید کو پہلے ہی پہل عالم امر کے لطائف میں اپنی توجہ سے ذکر القلو کرتے ہیں تاکہ قلب، روح، سر، خفی اور اخفیٰ بنیادی طور پر مستہلک ہو جائیں اس سیر کو "سیرِ انفسی" کہتے ہیں اور اس "سیرِ انفسی" کے ضمن میں اکثر "سیرِ آفاقی" بھی حاصل ہو جاتی ہے کیونکہ عالمِ امر کے لطائف سے تاریکیاں اور کدورتیں بھی دور ہو جاتی ہیں اور قرب بھی میسر آتا ہے۔ اس کے بعد مرید کو نفس اور قلب کی پاکی کے لئے ریاضت (مجاہدہ) کی تاکید کی جاتی ہے۔ پس مرید کو ریاضت اور شیخ کی توجہ کی مدد سے نفس اور عناصر کی پاکیزگی حاصل ہو جاتی ہے اور ایسے سالک کو "مجذوب سالک" کہتے ہیں اور اس سیر کو "اندراج نہایت فی البدایت" (یعنی ابتداء میں انتہاء کا رکھ دیا جانا) کہتے ہیں کیونکہ جذب جو آخر میں حاصل ہونے والی چیز ہے وہ ابتداء ہی حاصل ہو گیا۔ جب عالم امر کے لطائف فنا ہونے کے بعد ریاضت کا حکم دیا گیا اور نفس کی شدت اور دبدبہ عالم امر کے لطائف کے ساتھ رہنے کی وجہ سے جاتا رہا (یعنی نفس قابو میں آگیا) اور مجاہدہ اس کے لئے آسان ہو گیا اور لطائف کے فنا ہونے کی وجہ سے عبادتوں کا ثواب بھی بڑھ گیا تو اس اعتبار سے یہ سیر زیادہ آسانی اور تیزی سے ملنے والی بن گئی اور اگر کوئی مرید اس سیر میں کمال حاصل کرنے سے قبل مر بھی جائے تو محروم بالکل نہ رہے گا کیونکہ قلبی ذکر اس کو (شیخ کی) پہلی ہی صحبت میں حاصل ہو چکا واللہ اعلم

فصل۔ عبادتوں کی برکتیں

یاد رکھو کہ کامل درجہ کی عبادتوں سے اللہ کا قرب نہایت معتبر طریقے سے ترقی پاتا ہے اور ناقص عبادتوں سے قرب حاصل ہوتا ہے مگر قابل لحاظ درجہ

میں نہیں۔ کیونکہ ناقصوں کی عبادتوں کا ثواب، کاملوں کی عبادتوں سے بہت کم ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا تمام اہل جہان کی عبادتیں ایک ولی کی عبادت کے آگے سایہ یا پرتو کی حیثیت رکھتی ہیں۔ پس اسی تناسب کا فرق (ولی اور غیر ولی) کی عبادات کی برکات میں بھی ہے، مشائخ کرام کا کہنا ہے کہ ناقص عبادتوں کے ذریعے بس اتنا قرب حاصل ہوتا ہے کہ بالفرض اگر ایک شخص پچاس ہزار سال عبادت کرے تو ادنیٰ اولیاء کے درجہ کو پہنچ سکے گا اور ولایت کا (ادنیٰ) مرتبہ پالے گا۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ یعنی جبریل اور فرشتے حق تعالیٰ کے پاس اوپر چڑھتے ہیں ایک دن میں جو پچاس ہزار سال کے برابر ہے اس میں گویا اشارہ اسی بات کی طرف ہے کہ جب دنیا کی تمام عمر بھی اس کے برابر نہ ہوگی تو محض ریاضیت و مجاہدہ کے ذریعے ولایت کا حاصل ہونا تصور ہی میں نہیں آسکتا۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں:۔

سیر زاہد ہر شبے یک روزہ راہ
سیر عارف ہر دمے تا تخت شاہ [1]

پس معلوم ہونا چاہیئے کہ مشائخ کرام جب مریدوں کو ریاضت و مجاہدہ کا حکم کرتے ہیں تو اس سے مقصود عناصر کی صفائی اور نفس کی پاکیزگی ہے نہ کہ قرب کا حصول بلکہ خود تصفیہ (صفائی) اور تزکیہ بھی زری عبادتوں سے حاصل

---

[1] (ترجمہ) زاہد کی سیر قرب ہر رات ایک دن کی مسافت کے برابر طے ہوتی ہے اور عارف کی سیر تو ہر لمحہ تختِ شاہِ ذوالجلال تک ہوتی رہتی ہے یعنی ہر لمحہ اس کو قرب الٰہی میسر ہے۔

نہیں ہوتا جب تک کہ اس کے ساتھ شیوخ کی صحبت کی تاثیر معاون نہ ہوجائے

عبادت یا مشقت اور موافق سنت سے رذائل دور ہوتے ہیں

مسئلہ : بعضے اکابر کا قول ہے کہ ہر وہ عبادت جس میں محنت و مشقت زیادہ ہو وہ عبادت نفس کے رذائل دور کرنے کی پوری پوری تاثیر رکھتی ہے اس لئے ان حضرات نے ذکرِ جہری اربعینات (یعنی چلّے) اور خلوتِ مانوس وغیرہ قسم کی باتیں ایجاد کیں اور ان کی یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے مستنبط ہوتی ہے کہ خِصَاءُ اُمَّتِی الصِّیَامُ یعنی میری امت کا شہوتِ جنسی سے خالی ہو جانا روزے رکھنے کے ذریعہ ہے ۔ یعنی جس کسی امتی میں شہوت کی زیادتی ہو وہ روزہ رکھ کر اس کو دور کرے کیونکہ روزہ میں (نفس پر) مشقت ہے اسی لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بجائے نماز کے اس کو شہوانی قوت کے دفع کرنے کے لئے تجویز فرمایا۔ عالی شان بزرگ حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند رضی اللہ عنہ اور ان جیسے بزرگوں نے اسی بات کا امر فرمایا ہے۔

سمجھ لو کہ ہر وہ عبادت جو سنت کے موافق ہو وہ نفس کے رذائل کو دور کرنے اور عناصر کی صفائی اور قرب الٰہی کے حصول کے لئے زیادہ مفید ہے ۔ لہذا بدعت قبیحہ کی طرح بدعتِ حسنہ سے پرہیز کرتے ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کُلُّ مُحدثٍ بِدْعَۃٌ وَکل بِدعۃٍ ضلالۃٌ (یعنی ہر نئی بات جو دین میں نکالی جائے وہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے) پس اس حدیث شریف کا نتیجہ یہ ہے کہ کُلُّ محدثٍ ضلالۃ (ہر نئی بات گمراہی ہے) اور یہ ظاہر ہے کہ لَاشَئی من الضلالۃ بِھدایۃٍ

فلا شئی من المحدث بھدایۃٍ (یعنی گمراہی کی کسی بات سے ہدایت نہیں مل سکتی پس کسی نئی بات سے ہدایت نہیں مل سکتی) نیز حدیث شریف میں یہ بھی ہے ان القول لا یقبل مالم یعمل بہ وکلاھما لا یقبلان بدون النیۃ والقول والعمل والنیۃ لا تقبل مالم توافق السنۃ یعنی بغیر عمل والا قول مقبول نہیں اور وہ دونوں (قول وعمل بغیر اخلاص نیت کے مقبول نہیں جب تک کہ سنت کے موافق نہ ہوں اور چونکہ سنت کے خلاف اعمال مقبول نہیں تو اُن پر ثواب بھی مترتب نہ ہوگا اگر محض مشقت کو (جو موافق سنت نہ ہو) قرب کے حصول اور رذائل کے دفعیہ میں دخل ہوتا رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اس سے منع نہ فرماتے۔ ابو داؤدؒ نے حضرت انسؓ بن مالک سے روایت کی ہے؛ لَا تشددو علیٰ انفسکم فان قوما شددوا علیٰ انفسھم فشدد اللّٰہُ عَلیھم فتلك بقایا ھم فی الصوامع والبیع ورھبانیۃ ابتدعوھا ما کتبنٰھا علیھم یعنی اپنی جانوں پر سختی نہ ڈالو اس لئے کہ ایک قوم نے اپنے اوپر خود سختی اختیار کی تو حق تعالیٰ نے بھی ان پر سخت احکام آتارے، پس یہ اسی قوم کے بچے کچے لوگ ہیں جو بتخانوں اور گرجوں میں راہبانہ زندگی اختیار کئے ہوئے ہیں کہ جو رہبانیت اللہ نے ان پر فرض نہیں کی تھی (مراد اس سے نصرانی راہب ہیں)

صحیحین (یعنی بخاری ومسلم) میں روایت ہے کہ تین شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے حضور کی عبادت کے بارے میں سوال کیا۔ امہات المومنین نے انہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات بتا دیئے۔ ان لوگوں نے اس کو اپنے حق میں، کم سمجھا اور کہنے لگے کہ ہماری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا برابری

ہے آپؐ کی شان میں تو حق تعالیٰ کا ارشاد ہے لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ[1] (اور ہم تو سراپا گناہ ہیں پس) ان میں کے ایک صحابی نے کہا کہ میں تمام رات عبادت کروں گا اور بالکل نہ سوؤں گا۔ دوسرے نے کہا کہ میں روزے رکھوں گا اور افطار نہ کروں گا، تیسرے نے کہا کہ میں نے نہ نکاح کیا ہے اور نہ اب عورتوں سے سروکار رکھوں گا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر تشریف لائے اور یہ واقعہ سُنا تو ارشاد فرمایا الا واللّٰہ انی اخشاکم من اللّٰہ واتقیٰکم لہٗ یعنی تحقیق کہ میں تم لوگوں کی بہ نسبت اللہ سے زیادہ ڈرنے والا ہوں اور زیادہ پرہیزگار بھی ہوں لیکن میں روزہ رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں رات میں نماز پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور اپنی ازدواج کا حق بھی ادا کرتا ہوں پس جو کوئی میری سنت (طریق) سے بیزار ہے وہ میرے تابعداروں میں سے نہیں ہے!

اگر کوئی کہے کہ میں کڑی قسم کی ریاضتوں سے (روحانی) ترقیاں دیکھتا ہوں اور باطنی صفائی اور مکاشفات حاصل ہوتے ہیں، جن کا انکار میں نہیں کر سکتا، تو جواب میں یہ کہا جائے گا کہ (بلاشبہ) ریاضتوں سے کشف، کرامت اور دنیوی تصرفات حاصل ہو جاتے ہیں اسی لئے تو حکمائے اشراقین اور ہندوستان کے جوگیوں کو بھی یہ چیزیں حاصل رہیں مگر یہ کمالات اہل اللہ کی نگاہ میں کوئی مقام نہیں رکھتے اور وہ ان چیزوں کو جوز اور منقی کے بدل میں خریدنے کو تیار نہیں۔ نفس کے رزائل کا دور ہونا اور شیطان اور وساوس شیطانی کا ازالہ بغیر سنت کے طریقہ کی پابندی کے ممکن ہی نہیں ہے

---

[1] مراد یہ ہے کہ اللہ نے تو حضورؐ کے اگلے پچھلے گناہ سب معاف فرما دیے۔

محال است سعدی کہ راہِ صفا   تواں رفت جز در پئے مصطفےٰ

اگر کوئی کہے کہ اگر یہی بات ہے تو (جن) سلاسل (طریق) میں سخت ریاضتیں
استعمال نہیں ہوتیں ان میں (ماننا پڑیگا کہ) کوئی ولایت کے درجہ کو نہیں پہنچتا
حالانکہ یہ بات صحیح نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اولیاء کرام سنت کے
تابعدار ہیں اور اس اتباع سنت میں بعضے بعضوں سے بڑھے ہوئے ہیں اور
اگر ان کے بعض اعمال میں بدعت نے راہ پا بھی لی ہے تو ایسے اعمال بہت ہی کم
ہیں۔ پس اگر یہ اعمال قرب کی ترقی کا سبب نہ بھی ہوں تو دوسرے موافق سنت
اعمال اور کامل و مکمل بزرگوں کی صحبت سے ان کی دستگیری ہو جاتی ہے اور وہ
درجہ کمال تک پہنچ جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ وہ جو بعضے اعمال
میں بدعت آگئی ہے وہ اس شخص کی اجتہادی غلطی کی وجہ سے ہے اور غلطی
کرنے والا مجتہد معذور ہے اور اسکو ثواب کا ایک درجہ مل جاتا ہے اور جو مجتہد اپنے اجتہاد
میں صحیح ہے اس کو ثواب کے دو درجے ملتے ہیں، اور اگر ایسا نہ ہو تو فقہا بلکہ ساری
دنیا پر عافیت تنگ ہو جائے واللہ تعالیٰ اعلم۔

فصل مشائخ کرام کی تاثیر میں

یاد رکھو کہ ناقص اور کامل دونوں اپنے سے کامل تر کی صحبت سے فیض
حاصل کرتے ہیں (یہاں تک کہ) حضرت یوشع بن نون اور ان جیسے انبیا نے اپنے
سے عالی رتبہ پیغمبر مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فیض حاصل کیا۔

مسئلہ | **ناقص کو ولایت بغیر تاثیر صحبت میسر نہیں آسکتی**

ناقصوں کو کاملوں کی صحبت کی تاثیر کے بغیر ولایت حاصل نہیں ہو سکتی کیونکہ محض ن ں

عبادت سے انھیں ولایت میسر نہیں آسکتی جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ام بنوہ مطلق جس کو (قرآنی اصطلاح میں) اجتباء کہتے ہیں ان لوگوں کے حق میں تصور نہیں کیا جا سکتا اس لئے کہ انھیں حق تعالیٰ کے ساتھ وہ مناسبت حاصل نہیں لہذا عوام کے لئے حق تعالیٰ کے فیض کا حصول بجز ایسے شخص کے واسطے (اور ذریعہ) کے ممکن نہیں جس کو باطن میں حق تعالیٰ کے ساتھ مناسبت (کامل) حاصل ہو اور ظاہر میں اللہ کے بندوں کے ساتھ بھی مناسبت رکھتا ہو اور ایسا شخص اللہ کا رسول ہے یا اس کا نائب اور اس نائب کو بھی جب تک اہل استفاضہ سے ظاہری مناسبت نہ ہو فیض یابی ممکن نہیں حق تعالیٰ فرماتے ہیں لَوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا یعنی اگر زمین پر فرشتے چلتے پھرتے اور رہتے بستے ہوتے تو تحقیق کہ ہم ان کے لئے آسمان سے فرشتہ ہی کو رسول بنا کر بھیجتے اور اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپؐ کی قبر اطہر سے فیض (یعنی فیض تربیت جس سے ایک ناقص درجہ کمال تک پہنچ سکے) نہیں پہنچ سکتا کیونکہ صوری مناسبت (آپؐ کی ذات پاک کے ساتھ) اس وقت موجود نہیں۔ پس دوسرا واسطہ درکار ہے جو آپ کا نائب یا وارث ہو اور پیغمبر علیہ السلام کا ارشاد ہے العلماء ورثة الانبیاء یعنی علماء جو ظاہر و باطن کے جامع ہوں وہ پیغمبر کے وارثین ہیں۔

کامل البتہ مستثنیٰ ہے — **مسئلہ:** اس کے بعد کوئی (سالک) مرتبۂ کمال تک کو پہنچ جاتا ہے تو اس کو بارگاہ الٰہی سے بلا واسطہ فیض پہنچ سکتا ہے اور وہ عبادت کے ذریعہ ترقی کر سکتا ہے حق تعالیٰ فرمانا فرماتے ہیں وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ یعنی سجدہ کر اور خدا کا قرب پالے اور وہ رسول کریم (علیہ الصلوٰۃ والتسلیم) کی قبر شریف اور اولیاء کی قبروں سے

فیض (یعنی تقویتِ نسبت کا فیض) حاصل کر سکتا ہے۔

مسئلہ رسولوں کے ارسال انبیاء کا مقصد تاثیرِ صحبت کی فیض رسانی ہے

اس دنیا میں بھیجنے کا مقصد ہی ان کی صحبت کی تاثیر (سے فیض یاب کرنا) ہے کیونکہ فقہ اور عقائد کے مسائل تو فرشتوں سے بھی سیکھے جا سکتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث جبرئیل دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: هٰذا جِبْرِئِیْلُ جَاءَکُمْ لِیُعَلِّمَکُمْ دِیْنَکُمْ یہ جبریل تمھارے سامنے آئے تھے تاکہ تمھیں تمھارے دین کی باتیں سکھائیں[1] پس یہ کام (دین سکھلانا) پوری پوری مناسبت پر موقوف نہیں لیکن صحبت کی تاثیر جس سے ولایت حاصل ہوتی ہے (وہ مناسبت تامہ ہی پر موقوف ہے) اور اسی لئے رسول انسانوں ہی سے بنا کئے گئے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں لَقَدْ جَاءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ تحقیق کہ آئے رسول تمھارے پاس خود تم ہی میں سے۔ اور فرمایا لَوْ کَانَ فِی الْاَرْضِ مَلٰٓئِکَةٌ یَّمْشُوْنَ الآیۃ[2]

---

[1] روایت ہے کہ ایک مرتبہ صحابہ کی مجلس جمی ہوئی تھی کہ جبریل علیہ السلام انسانی روپ میں آئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے متصل رو برو بیٹھ گئے اور ایک ایک کر کے کئی سوال کئے کہ یا رسول اللہ ایمان کس کو کہتے ہیں؟ احسان کے کیا معنی ہیں؟ قیامت کب آئے گی؟ آثار قیامت کیا ہیں وغیرہ۔ جب حضور کسی سوال کا جواب عطا فرماتے تو آپ اس کی تصدیق کرتے کہ صحیح فرمایا۔ صحابہ کرام کو تعجب ہوا کہ یہ کون شخص ہے کہ سوال بھی کرتا ہے اور جواب کی تصدیق بھی، جب جبریل علیہ السلام چلے گئے تو حضور انور صلی اللہ علیہ السلام نے یہ جملہ ارشاد فرمایا تھا۔

[2] یہ آیت مع فقرے اوپر گزر چکی ہے اور اس کی تشریح بھی بیان ہو چکی

نسبت اویسی

مسئلہ: بعضے وہ لوگ جن کو بہت ہی قوی (روحانی) استعداد ملی ہے ان کو کبھی پیغمبر کی یا کسی ولی کی روح سے فیض پہنچ جاتا ہے اور ان کو مرتبۂ ولایت تک پہنچا دیتا ہے۔ ایسے لوگوں کو اویسی کہتے ہیں کیونکہ اویس قرنیؓ نے سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اٹھائے بغیر آپؐ سے فیض حاصل فرمایا۔

بلا تاثیر صحبت مجاہدہ ناکافی ہے

مسئلہ: ریاضت (و مجاہدہ) جب تک۔ (کسی بزرگ کی) صحبت کی تاثیر اس کے ساتھ شامل نہ ہو نفس کے رذائل کو دور کرنے اور ولایت حاصل کرنے کے لئے ناکافی ہے۔ انبیاء (علیہم السلام) کی صحبت کی تاثیر، جو کمالات نبوت اور کمالاتِ ولایت کے مخزن ہیں یا پھر ان نیکوکاروں کے صحبت کی تاثیر جنھیں اتباع کی وجہ سے کمالات نبوت حاصل ہیں جیسے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، رذائل نفس کے دور کرنے اور ولایت حاصل کرنے کے لئے کافی ہے مگر اس طرح نہیں کہ ایک دو مرتبہ کی صحبت کافی ہو جائے بلکہ ایک مدت تک (صحبت میں رہنا ضروری ہے) اور اولیاء کی صحبت کی تاثیر تنہا، بغیر مرید کے اپنی ریاضت (و مجاہدہ) کے کافی نہیں ہو سکتی البتہ کسی ولی کے ذریعہ اگر جذب میسر آجائے تو پھر سلوک بلا ریاضت طے ہے۔

اجتبائے صرف اور ہدایت صرف

فائدہ: "جذب الٰہی" جو انبیاء علیہم السلام کے واسطے سے حاصل ہو اس کو "اجتبائے صرف" کہتے ہیں۔ اسی طرح جو انبیا اور اولیاء کے واسطہ سے حاصل ہو اس کو "ہدایتِ صرف" کہتے ہیں کیونکہ وہ ان کی نیابت (و اتباع) پر منحصر ہے اور جو کمالاتِ نبوت رکھنے والوں کے واسطے سے حاصل ہو، خواہ وہ

اصحاب ہوں یا ان سے سوا کوئی اور تو وہ ایسا "اجتباء" ہے جس میں ہدایت کی بو ہے یا پھر ایسی "ہدایت" ہے جس میں اجتباء کی بو ہے۔ پہلی صورت کو مرادیت اور دوسری کو "مریدیت" کہنا مناسب ہے، اَللّٰہُ یَجْتَبِیْ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَیَھْدِیْ اِلَیْہِ مَنْ یُّنِیْبُ اللہ تعالیٰ چن لیتا ہے جس کو چاہتا ہے یعنی بلا کوشش اس کو برگزیدہ بنا دیتا ہے اور اس شخص کو راستہ پر چلا دیتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔

مسئلہ: جذب مطلق جس کو اجتباء کہتے ہیں، جس طرح انبیاء کو مبدء فیاض (یعنی ذات حق) سے مناسبت کے سبب حاصل ہوتا ہے اسی طرح اولیاء کو بھی حاصل ہوتا ہے مگر اس وقت جبکہ حق تعالیٰ کے ساتھ کامل مناسبت حاصل ہو جائے۔ وجہ یہ ہے کہ جذب مطلق میں جو رکاوٹ تھی وہ عدم مناسبت کی تھی جو اب کامل مناسبت میں متبدل ہوگئی، پس معلوم ہوا کہ صوفی جب سیر مریدی حاصل کرکے اور دوسرے منازل طے کرکے مقام محبوبیت پر پہنچ جاتا ہے اور اتباع رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے خدا کا محبوب بن جاتا ہے تو اس وقت اس کا اجتباء نیابت پر منحصر نہیں رہتا ہے (بلکہ راست ذات حق سے حاصل ہوتا ہے) پس اس کے بعد اس کی جتنی بھی ترقیات ہوں گی وہ سیر مرادی سے ہوں گی۔

کبھی مُرید کو "جذبِ مطلق" حاصل ہو جاتا ہے

مسئلہ: کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مرید کو اجتباء اور جذب مطلق حاصل ہو جاتا ہے۔ حالانکہ خود مرشد کو حاصل نہیں ہوتا۔ ایسی صورت میں مرید پیر سے افضل ہوتا ہے، مراد رومی نے شیخ تاج الدین سے روایت کی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کسی بندہ کو اپنی طرف جذب فرما لیتے ہیں حالانکہ وہ شخص کوئی استاد

(رہبر یا پیر) نہیں رکھتا۔ حسن سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ کا مرشد کون ہے؟ فرمایا اس سے پہلے عبدالسلام بن مشیش تھے اور اب دس دریا میں پانچ آسمان میں اور پانچ زمین میں ہیں۔

ابن مشیش سے پوچھا گیا کہ آپ کا مرشد کون ہے فرمایا اس سے پہلے حماد اور باس تھے اور اب دو دریاؤں سے پیتا (یعنی فیض حاصل کرتا) ہوں ۔ ایک دریائے نبوت اور دوسری دریائے فتوت۔

مرشد کا احسان مرید کی گردن پر دائم ہے

مسئلہ: مرید اپنے مرشد سے خواہ کتنا ہی افضل کیوں نہ ہو جائے مرشد کا حقِ تربیت (کا احسان) اس کی گردن پر باقی کا باقی ہے۔

فائدہ: جیسا کہ بیان ہو چکا کہ قرب (الٰہی) میں ترقی تین باتوں سے ہوتی ہے برکاتِ عبادات[۱]، تاثیرِ صحبتِ[۲] مشائخ اور جذبِ[۳] مطلق۔ لہٰذا سمجھ لو کہ برکاتِ عبادات سے گو قوت، وسعت اور اقربیت حاصل ہوتی ہے مگر صرف ایک ہی مقام تک (یہ ترقی محدود) رہتی ہے، اور ایک مقام سے دوسرے مقام میں (مسلسل) ترقی یعنی ولایتِ صغریٰ سے ولایتِ کبریٰ میں اور وہاں سے ولایتِ عُلیا میں اور اس سے کمالاتِ نبوت تک نہیں ہوتی۔ "البتہ تاثیرِ صحبت" سے ایک مقام سے دوسرے مقام میں ترقی ہوتی ہے یہاں تک کہ شیخ کے مقام تک بھی اور "جذبِ مطلق" سے (اس سے بھی آگے) ایک مقام سے دوسرے مقام تک جہاں تک بھی اللہ تعالیٰ چاہے ترقیات میسر آتی ہیں۔

فصل:- استعداد کے بیان میں

اختلافِ استعداد کی پہلی صورت

یاد رکھو کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے انسان کی سرشت میں اپنے قرب اور اپنی معرفت کی استعداد رکھی ہے اور وہ استعداد ہدایت بالفعل پر موقوف ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یعنی تحقیق ہم نے انسانوں کو بہترین حقیقت پر پیدا کیا یعنی انسان کمالات کی استعداد رکھتا ہے پھر ہم نے اسے پست سے پست تر مقام تک لوٹا دیا یہاں تک کہ وہ اپنے ہی جیسی یا اپنے سے کمتر شے کی عبادت کرے البتہ وہ لوگ (اس سے الگ ہیں جو ایمان لائیں اور عمل صالح اختیار کریں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ما من مولود الا و یولد علی فطرۃ ثم ابواہ یھودانہ[1] الحدیث البتہ افراد انسانی استعداد کے اعتبار سے الگ الگ ہیں رسول علیہ السلام نے ارشاد فرمایا الناس معادن کمعادن الذھب والفضۃ خیارکم فی الجاھلیۃ خیارکم فی الاسلام اذا فقھو جس طرح کہ کانیں مختلف ہوتی کہ لوہے اور تانبے کی کانوں میں چاندی کی اہلیت پائی نہیں جاتی اور سونے کی کان میں لوہے کی صلاحیت نہیں ہوتی ٹھیک اسی طرح انسانی افراد بھی الگ

---

[1] جو بچہ بھی پیدا ہوتا ہے۔ وہ فطرت صحیح پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی (وغیرہ) بنا دیتے ہیں۔

الگ قابلتیں رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا یعنی تحقیق کہ ہم نے تم کو کئی قسم (طور) پر پیدا کیا اور یہ کیفیات نفس وعناصر کی صفات سے ظاہر ہوتی ہیں اور ہدایت ہو یا گمراہی دونوں صورتوں میں ان ہی نفس وعناصر کی کیفیتوں سے بشدت اور ضعف اور اس طرح کی دوسری کیفیتوں کے مطابق ظاہر ہوتی ہیں خیارکم فی الجاھلیۃ خیارکم فی الاسلام (کا ارشاد) اسی حقیقت پر دلالت کرتا ہے۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تعجب سے[1] حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں فرمایا أجبّارٌ فی الجاھلیۃ وخوارٌ فی الاسلام؟ (یعنی تم جاہلیت میں بڑے بہادر بنتے تھے۔ اسلام میں آکر ڈھیلے پڑ گئے)؟۔

اختلاف استعداد کی دوسری قسم

انسانی استعداد میں اختلاف کی ایک دوسری قسم بھی ہے جس میں اختلاف کا سبب اسماء الٰہی کے ظلال ہیں اور پھر ان (ظلال) کے ظلال ہیں جو خواہ ایک یا دس یا سو مراتب سے لے کر جس قدر بھی اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوں۔ نیز بعض ظلال اسم "الہادی" کے ہیں اور بعض ظلال اسم "المضل" کے ہیں۔ استعداد کی اس نوعیت سے ہدایت وضلالت واقع ہوتی ہے۔ وہ فرد جس کے مبدء تعین کا ظل اسم "الہادی" ہے یقیناً ہدایت یاب ہوگا اور جس فرد کے مبدء تعین کا ظل اسم "المضل" ہے وہ یقیناً گمراہ ہو کر رہے گا لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ

---

[1] جب حضرت ابوبکرؓ نے مانعین زکوٰۃ کے خلاف جہاد کا عزم فرمایا تو حضرت عمرؓ کو اس میں تردد تھا۔ ان کی اس ہچکچاہٹ کو دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ نے یہ جملہ فرمایا تھا جس کے بعد عمر فاروقؓ بھی مستعد ہو گئے تھے۔

جس فرد کے مبدء تعین پر اسم الہادی کا ظل سایہ فگن ہے اسے درجہ ولایت حاصل ہو جائے البتہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے جسے چاہے یہ مرتبہ عطا فرمائے۔ اس صورت میں مراتب کا جو فرق ظاہر ہوگا وہ اس کے مبدء تعین کے ظل قرب اور بعد کی بنا پر ہوگا۔ جس کسی کا مبدء تعین اعلیٰ اور اقرب ہوگا اس کی ولایت اتنی ہی اعلیٰ ہوگی۔ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مبدء تعین چونکہ دائرہ ظلال کا نقطۂ اعلیٰ تھا اس لئے ان کا مرتبہ ولایت بھی سب سے زیادہ بڑھا چڑھا رہا۔

اختلاف استعداد کے اثرات کا ظہور

مسئلہ: استعدادات کے اختلاف کا جو نتیجہ نوع ثانی

یعنی مبادی تعینات کے اعتبار سے (ہر) ولایت بالخصوص ولایت صغریٰ میں ظاہر ہوتا ہے اور نوع اول کے اختلاف کا نتیجہ جو جملہ مقامات میں ظاہر ہوتا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ عالم امر کے لطائف اور مبادئ تعینات کے فیوض کا جو تعلق ہے وہ ولایتِ صغریٰ سے ہے اور اس میں سے کچھ ولایت کبریٰ کے ساتھ بھی اور ولایت کبریٰ کے اکثر دوائر کا تعلق نفس کے ساتھ ہے اور ولایت علیا میں سہ گانہ عناصر کے ساتھ، اور کمالات نبوت میں عنصر خاک کے ساتھ، اور اس سے اوپر ہیئتِ وحدانی کے ساتھ واللہ اعلم۔

مسئلہ: یہ بات ممکن ہے کہ بعض اولیاء بعض انبیاء کے بچے ہوئے خمیر سے پیدا ہوئے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک خمیر سے پیدا ہوئے ہوں۔

سوال: چونکہ ہر شخص اپنے والدین کے نطفے سے پیدا ہوتا ہے اس لئے یہ بات قرین عقل معلوم نہیں ہوتی؟

جواب: بہت سی باتیں ہیں جن کو عقل انسانی ثابت نہیں کرسکتی لیکن شرع یا کشف و الہام سے وہ ثابت ہوجاتی ہیں مثلاً نفس "ولایت" کہ وہ ذات بے چون کے قرب کا نام ہے امام محی السنت بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے "تفسیر معالم التنزیل" میں آیۂ کریمہ منھا خلقناکم وفیھا نعیدکم ومنھا نخرجکم تارۃ اخریٰ کی شرح میں عطائے خراسانی کے قول کا ذکر کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ جب نطفہ رحم میں قرار پکڑتا ہے تو ایک فرشتہ اس مقام کی مٹی کی چٹکی جہاں اسے دفن ہونا ہے، لاتا ہے اور نطفے میں ڈال دیتا ہے۔ پھر اس مٹی اور نطفے سے آدمی پیدا ہوتا ہے۔ اور خطیب نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مَا مِن مَّوْلُوْدٍ اِلَّا وَفِیْ سُرَّتِہٖ مِن تُرْبَتِہٖ الَّتِیْ یُوْلَدُ مِنْھَا فَاِذَا رُدَّ اِلٰی اَرْذَلِ عُمُرِہٖ رُدَّ اِلٰی تُرْبَتِہٖ الَّتِیْ خُلِقَ مِنْھَا یُدْفَنُ فِیْھَا وَاَنَا وَ اَبُوْبَکْرٍ وَعُمَرُ خُلِقْنَا مِن تُرْبَۃٍ وَّاحِدَۃٍ وَفِیْھَا نُدْفَنُ یعنی کوئی پیدا ہونے والا ایسا نہیں ہے مگر یہ کہ اس کی ناف میں وہ مٹی ہے جس سے اسے پیدا کیا گیا تھا۔ پس جب وہ آخر عمر یعنی موت کے قریب پہنچتا ہے تو اسے اس مٹی میں لوٹایا جاتا ہے جس سے وہ پیدا ہوتا ہے اور اسی میں دفن کر دیا جاتا ہے تحقیق کہ میں اور ابوبکرؓ اور عمرؓ ایک مٹی سے پیدا ہوئے ہیں اور ایک ہی جگہ دفن ہوں گے۔ میرزا محمد بدخشانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اس حدیث کے راوی ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ اور ابو سعید اور ابوہریرہؓ ہیں اور ان میں سے بعض سے بعض کو تقویت پہنچتی ہے۔

حضور انورؐ، ابوبکرؓ اور عمرؓ ایک خمیر سے پیدا ہوئے ہیں

شرح صحیح بخاری کتاب جنائز میں ایک مقام پر ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کا قول بیان کیا گیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر

میں قسم کھاؤں تو اس معاملے میں سچا ہوں اور مجھے ہرگز اس میں کوئی شک نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ اور عمرؓ ایک خمیر سے پیدا ہوئے ہیں اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ تم میرے خمیر سے پیدا ہوئے ہو اور تمہارے والد فرشتوں کے ساتھ آسمان پر پرواز کرتے ہیں اور یہ بات درست ہے کہ حق تعالیٰ نے جس مٹی کو کسی پیغمبر کے لئے مہیا فرمایا ہو اور زمین نے اظہار آفرینش کے لئے انوار و برکات اور نزولِ رحمت کے ساتھ اس کی پرورش کی ہو اس میں سے کچھ حصہ باقی[1] رہ جائے اور وہ اولیاء میں سے کسی کا خمیر ہو جائے یہ بات عقلاً محال نہیں ہے اور شرع اور کشف سے ثابت ہے۔ اس کو اصطلاح میں "اصالت" کہتے ہیں اور کشفی نظر میں "صاحب اصالت" اس طرح نظر آتا ہے کہ گویا اس کا جسم جواہر سے مرصع ہے اور دوسروں کے جسم آب و گل سے بنے ہیں۔

صاحبِ اصالت لازماً سب سے افضل نہیں ہوتا

مسئلہ: اگرچہ "اصالت" بھی بڑے شرف کی بات ہے لیکن یہ لازم نہیں ہے کہ صاحبِ اصالت اُن حضرات سے افضل ہو جن کی فضیلت اجماع سے ثابت ہو چکی ہے کیا آپ نہیں دیکھتے کہ عبداللہ بن جعفرؓ بموجب نصِ حدیث "صاحبِ اصالت" ہیں جبکہ اجماع کے مطابق عثمان، علی، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم ان سب سے افضل ہیں۔

---

[1] بقیہ کا لفظ کھٹک جاتا ہے۔ اس لئے کہ اس میں پہلو خمیر کی تیاری میں اندازہ کے غیر قطعی ہونے کا نکلتا ہے اور اس نوعیت کا انتساب ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ والی ذات کی طرف قابلِ قبول معلوم نہیں ہوتا۔ نہ ہی حدیث میں "بقیہ" کا ذکر ہے وہاں تو صرف ہم خمیر ہونے کا اظہار ہے۔ واللہ اعلم۔

پانچواں باب

قربِ الٰہی کے مقامات کے بیان میں

یہ بات اچھی طرح سمجھ لو کہ حق تعالیٰ سبحانہٗ صفاتِ وجودیہ حقیقیہ و اضافیہ نیز صفاتِ سلبیہ اور اسمائے حسنیٰ سے موصوف ہے جیسا کہ قرآن و حدیث اس پر ناطق ہیں اور اولیاء کے کشف سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے و صفات کے ظلال ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات انبیاء اور ملائکہ کے مبادیٔ تعینات ہیں اور دوسرے انسانوں کے مبادی تعینات اسماء و صفات کے ظلال ہیں۔
اگر کوئی شخص یہ کہے کہ عقل و شرع اس امر کی تائید نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کے ظلال (سائے) ہوں۔ خود مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ نے مکتوب ایک سو بائیس[۱۲۲] جلد سوم میں تحریر فرمایا ہے کہ واجب تعالیٰ کا ظل (سایہ) نہیں ہو سکتا کیونکہ ظل کے ماننے سے واجب کے مثل ہستی کا وہم پیدا ہوتا ہے یہ کہ اصل (یعنی ذات واجب الوجود) اپنی لطافتوں میں کامل نہیں ہے۔
جب لطافت کے سبب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ نہ تھا تو محمدؐ کے خدا کا سایہ کس طرح ہو سکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ظلال سے وہ مراد نہیں ہے جو عوام سمجھتے ہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ لطائف اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے ہیں اور ان لطائف کو اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات سے کامل نسبت حاصل

ہے اور اسی مناسبت کی وجہ سے اہل دنیا کو اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے وجود اور اس کے توابع کا فیض پہنچانے میں یہ واسطہ بنتے ہیں اور اسی مناسبت کے باعث آسانی فہم کے لئے انہیں "ظل" کہدیتے ہیں یا حالت سکر میں وہ ظل پہچانے جاتے ہیں۔ چنانچہ حضرت مجددؒ نے مذکورہ مکتوب میں تحریر فرمایا ہے کہ اس نوع کے علوم اگر واجب تعالیٰ اور ممکن کے درمیان ایسی نسبت ثابت کریں جس کا ثبوت ہماری شریعت میں پایا نہیں گیا ہے تو یہ سب کچھ محض حالت سکر کے معارف ہیں ورنہ خارج بالذات اور بالاستقلال حق تعالیٰ ہی کی ذات ہے یا اس ذاتِ بزرگ و برتر کی آٹھ صفاتِ حقیقیہ ؛ اس سوا جو کچھ ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ایجاد کے باعث موجود ہوا ہے اور وہ (سب) ممکن، مخلوق اور حادث ہے اور کوئی مخلوق خالق کی ظل نہیں ہے۔ ظلیت کا یہ علم راہ سلوک میں عالم سالک کے بہت کام آتا ہے اور کشاں کشاں اس کو اصل کی طرف لے جاتا ہے۔

ظلال پیدا نہ کیے جاتے تو عالم معدوم ہو جاتا

اور فقیر عرض کرتا ہے کہ یہ جو حدیث میں وارد ہوا ہے اِنَّ لِلّٰهِ تَعَالیٰ سَبْعِیْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِّنْ نُورٍ وَّ ظُلْمَةٍ لَوْ كُشِفَ لَاَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهٖ مَا انْتَهىٰ اِلَيْهِ بَصَرُهٗ مِنْ خَلْقِهٖ یعنی تحقیق کہ اللہ تعالیٰ کے لئے نور و ظلمت کے ستر ہزار حجابات ہیں اگر وہ حجابات ہٹ جائیں تو اللہ تعالیٰ کے چہرے کا نور منتہائے نظر تک مخلوق کو جلا ڈالے۔ اور مسلم نے ایک اور حدیث روایت کی ہے حِجَابُهُ النُّوْرُ لَوْ كَشَفَ لَاَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهٖ مَا انْتَهىٰ اِلَيْهِ بَصَرُهٗ مِنْ خَلْقِهٖ یعنی اللہ تعالیٰ کا حجاب نور ہے اگر یہ حجاب ہٹ جائے تو

اللہ تعالیٰ کے چہرے کے نور سے منتہائے نظر تک مخلوق جل اٹھے اور ایک دوسری حدیث بھی ہے یا مُحَمَّدُ دَنوتُ مِنَ اللّٰہِ دُنُوًّا مَّا دَنَوتُ مِنْہُ قَطُّ تَعَالیٰ کَیْفَ کَانَ یَا جِبْرِیْلُ قَالَ کَانَ بَیْنِیْ وَبَیْنَہٗ سَبْعُوْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِّنَ نُّوْرٍ - یعنی (حضرت جبریلؑ نے عرض کیا) اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک مرتبہ میں اللہ تعالیٰ سے اس قدر قریب ہوا کہ کبھی اس قدر قریب نہ ہوا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے جبریل پھر کیا ہوا؟ انہوں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ اور میرے درمیان نور کے ستر ہزار حجابات تھے ۔ ممکن ہے ان حجابات سے مراد یہی ظلال ہوں یعنی اگر ظلال پیدا نہ کئے جاتے تو عالم معدوم ہو جاتا لِغِنَآءِ ذَاتِہٖ تَعَالیٰ عَنِ الْعَالَمِیْنَ کیونکہ ذات الٰہی سارے عالمین سے مستغنی (بے نیاز) ہے ۔ اور کلام عرب میں ستر کا عدد کثرت کے لئے بولا جاتا ہے ۔

اور جو کچھ نور و ظلمت کے حجابات والی حدیث میں بیان ہوا ہے اس سے صوفیوں کے قول کی تائید ہوتی ہے کیونکہ اہل ایمان کے مبادی تعینات حجابات نورانی ہی ہیں جو اسم "الہادی" کے ظلال ہیں اور کافروں کے مبادیٔ تعینات حجاباتِ ظلمانی ہیں جو اسم "المضل" کے ظلال ہیں ۔ غوث الثقلین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔

خَرَقْتُ جَمِیْعَ الْحُجْبِ حَتّٰی وَصَلْتُ اِلٰی　　مَقَامٍ لَّقَدْ کَانَ جَدِّیْ فَادْنَانِیْ

یعنی میں نے تمام پردے چاک کر دئے تاکہ وہاں پہنچ جاؤں جہاں میرے جد اعلیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) پہنچے ہوئے تھے ۔ پس مجھ کو قریب کر دیا یہاں تک کہ میں جمیع مراتب ظلال سے کہ اسے ولایت صغریٰ کہتے ہیں ، آگے بڑھ گیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مبدء تعین تک پہنچا جو مرتبہ صفات میں ہے جس کو "ولایت کبریٰ" کہتے ہیں ۔

سوال : اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات اور ان کے ظلال کو انسان کا مبدء تعین کیوں کہتے ہیں ؟

جواب : جیسا کہ معلوم ہو چکا کہ اِنَّ اللّٰہَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعَالَمِیْنَ پس یہ صفات اور ظلال وجود اور توابع وجود سے فیض الٰہی کو (انسان تک) پہنچانے کا واسطہ بنتے ہیں (اس لئے اِن کو انسان کا مبدء تعین کہتے ہیں)

سوال : ہر شخص کا تعین اس کے وجود کی فرع ہے ان ہی وجوہ کے مطابق جیسے کہ "حلقۂ تعین" میں اس کا مقام مقرر ہے تو اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات خود ہی عالم کے مبادیٔ تعینات ہو سکتے ہیں پس (ایسی صورت میں) ظلال کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے ؟ اور اگر مبادی تعینات نہیں ہو سکتے تو پھر انبیاء اور ملائکہ کے مبادی تعینات کس طرح بنے ہیں ؟

جواب : گو مبادی تعینات بن سکتے تھے لیکن ظلال کی پیدائش اور ان کو فیض پہنچانے کا واسطہ بنانے میں کوئی حکمت ہو گی واللہ تعالیٰ اعلم۔ صفات و اسماء خود تمام کے تمام ہی مبادیٔ تعینات ہو جاتے ہیں تو تمام عالم انبیاء اور ملائکہ کے ہم رنگ اور معصوم ہوتا اور ہر فرد کی ذات کا تقاضہ ہوتا کہ اسے مطلق جذب حاصل ہو۔ لیکن جلالی اور جمالی صفات کا مقتضاء یہ تھا کہ بعضے مومن رہیں اور بعضے کافر بعضے صالح رہیں اور بعضے فاسق تاکہ صفات رحمت و قہر وغیرہ کے آثار بھی ظاہر ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَیْنَا کُلَّ نَفْسٍ ھُدٰاھَا وَلٰکِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّیْ لَاَمْلَئَنَّ جَھَنَّمَ مِنَ الْجِنَّۃِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ یعنی اگر ہم چاہتے تو یقیناً ہر نفس کو ہدایت دے دیتے لیکن میری تقدیر اٹل ہے کہ بلاشبہ میں جنوں اور انسانوں سے دوزخ بھر دوں گا

انبیاء اور ملائکہ کے مبادی تعین کا فرق

فائدہ: انبیاء اور ملائکہ کے مبادیٔ تعینات میں یہ فرق ہے کہ اللہ تعالیٰ کے صفات میں دو اعتبار جاری ہیں، ایک تو نفوس کے وجود کی جہت سے اور دوسری اللہ تعالیٰ کے ساتھ اُن کے قیام کی جہت سے پس صفاتِ حق جہتِ اول کے اعتبار سے انبیاء علیہم السلام کی مربی ہیں اور دوسری جہت کے اعتبار سے ملائکہ کی مربی ہیں، پس ملائکہ کی ولایت بہ نسبت انبیاء کی ولایت کے حق تعالیٰ سے زیادہ اقرب و اعلیٰ ہے لیکن ملائکہ اپنے مقام سے ترقی نہیں کرسکتے اس آیت کریمہ کے مفہوم کے مطابق کہ وَمَا مِنَّا اِلَّا لَہٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ یعنی ہم ملائکہ میں سے کوئی نہیں ہے مگر یہ کہ اس کا اپنا مقام معلوم (اور معین ہے) جس سے آگے ترقی ممکن نہیں اور (اس کے برعکس) انبیاء کے لئے ملائکہ کے مقام تک نیز اس سے بالاتر کمالاتِ نبوت و رسالت اور کمالات الوالعزم اور ان کے علاوہ بھی ترقیات (کھلی ہوئی) ہیں اور اسی پہلو سے انبیاء ملائکہ سے افضل قرار پاتے ہیں اہلِ حق کا عقیدہ یہی ہے۔

سیر الی اللہ یا ولایتِ صغریٰ

جب یہ ساری تمہید بیان ہو چکی تو اب سمجھ لو کہ ریاضت و عبادت اور صاحبِ شریعت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل پیروی اور آں سرور علیہ الصلوٰۃ کی راست یا بہت سے واسطوں کے ذریعہ تاثیر صحبت حاصل کرکے جب صوفی اپنے مقام سے حق سبحانہٗ تعالیٰ کی اقربیت کے مدارج میں اس حد تک ترقی کرتا ہے کہ اس کو بارگاہِ حق میں اس کی اصل یعنی اس ظل کے قریب جو اس کا مبدءِ تعین ہے قرب میسر آجاتا ہے تو اس نوبت پر اصطلاحی زبان میں "اطلاق" کا لفظ بولا جاتا ہے اور قرب الٰہی کے مراتب گو کہ بے کیف و کم ہوتے ہیں لیکن عالمِ امثال

میں تمام عالم ایک دائرے کی صورت میں منکشف ہوتا ہے اور اس کو عالم امکان بھی کہتے ہیں۔ اور عرش مجید دائرے کے قطر کی صورت نظر آتا ہے اور نیچے والی قوس (دائرہ کا حصہ) میں نفس اور چاروں عناصر مشہود ہوتے ہیں اور عالم امر کے پانچوں لطائف اوپر والی قوس میں ظاہر ہوتے ہیں اور اس سے آگے پہنچ کر اسماء و صفات کے ظلال بھی دائرہ کی صورت میں مشہود ہوتے ہیں اور صوفی اپنے آپ کو عالم مثال میں دیکھتا ہے کہ گویا سیر کرتا جارہا ہے اور ترقی کرتا جارہا ہے یہانتک کہ دائر ظلال میں داخل ہوکر اپنی اصل تک پہنچ جاتا ہے۔ اور خود کو اصل کے رنگ میں پاتا ہے اور اپنے آپ کو وجود میں اصل ہی دیکھتا ہے اور (اپنی ذات کو) اس میں اس درجہ مٹا ہوا اور معدوم دیکھتا ہے کہ اپنی ہستی کے عین یا اثر کو بھی محو پاتا ہے اور وجود میں اصل ہی کو دیکھتا ہے اس سیر (روحانی) کو اصطلاح میں "سیر الی اللہ" کہتے ہیں اور ظلال کا یہ دائرہ "ولایت صغریٰ" اور ولایت اولیاء کہلاتا ہے۔

اکثر اولیا نے ان ہی ظلال کو دائرہ صفات کہا ہے اور صفات کو عین ذات جانا اور حالت سکر میں انا الحق کہہ بیٹھے ہیں اس کے بعد جب اپنے مبدء تعین سے ترقی کرکے دائرۂ ظلال کی سیر شروع ہوتی ہے تو اسے "سیر فی اللہ" کہتے ہیں اور حقیقت میں یہ "سیر الی اللہ" ہے۔

اسماء وصفات اور ان کے ظلال نامتناہی ہیں

فائدہ: اے بھائی سمجھ لے کہ حق تعالیٰ کی صفاتِ حقیقیہ جیسا کہ متکلمین نے اس باب میں کلام کیا ہے اگر سات یا آٹھ ہیں لیکن ان صفات کی جزئیات وغیرہ کی کوئی انتہا نہیں اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کو صرف اُسی گنتی تک محدود نہ سمجھنا چاہیے جو

احادیث میں بیان ہوئے ہیں یا ایک ہزار نام جو توریت میں مذکور ہوئے کیونکہ ان کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَۃٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ یَمُدُّہٗ مِنْ بَعْدِہٖ سَبْعَۃُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ کَلِمَاتُ اللّٰہِ یعنی زمین کے تمام درخت قلم بن جائیں اور سمندر بلکہ اس جیسے سات سمندر بھی سیاہی بن جائیں تب بھی اللہ تعالیٰ کے کلمات ختم نہ ہوں یعنی اللہ تعالیٰ کی تعریف کے کلمات جو اس کی صفات و کمالات سے متعلق ہوں کبھی نہ ختم ہوں جیسا کہ سعدیؒ نے کہا ہے

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

جس طرح حق تعالیٰ کی صفات غیر متناہی ہیں اسی طرح ان کے ظلال بھی غیر متناہی ہیں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ مَا عِنْدَکُمْ یَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰہِ بَاقٍ یعنی جو کچھ تمہارے پاس ہے فانی ہے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے باقی ہے۔ پس ولایت صغریٰ اور مراتب ظلال میں اگر کوئی تفصیلی سیر کرتا رہے تو ابدالاباد تک یہ سیر ختم نہ ہو لیکن (لیکن بات یہی ہے کہ) ہر شخص مراتب ظلال میں اپنے حصۂ تقدیری کے مطابق ہی سیر کرتا ہے ——— پھر (یہ بھی یاد رہے کہ ہر ظل کا ایک ظل ہوتا ہے اور پھر اس ظل کا ایک ظل دوسرا، تیسرا، چوتھا وغیرہ جہاں تک اللہ چاہے۔

صوفی عروجی ترقی میں ایک درجہ طے کر کے اپنے اصل میں آکر اس میں فانی ہو جاتا ہے اور پھر اس سے ترقی کر کے اس درجہ کے اصل میں فانی ہوتا ہے۔ اسی طرح جس ظل تک پہنچتا ہے اسی میں اپنے آپ کو فانی اور مستہلک اور وجود حق میں خود کو باقی دیکھتا ہے۔ مولانائے رومیؒ کے اس شعر کے یہی معنی ہیں فرماتے ہیں۔

ہفصد و ہفتا د قالب دیدہ ام　　ہمچو سبزہ بارہا روئیدہ ام

سیر فی اللہ

اس کے بعد اگر اللہ تعالیٰ کی عنایت صوفی کے شامل حال ہو تو وہاں سے عروج حاصل ہوتا ہے اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کے طفیل اسماء و صفات کے دائرے میں رسائی میسر آتی ہے اس لئے کہ ان دائروں کی اصل ظلال ہیں اور جو سیر اس میں ہوتی ہے وہ "سیر فی اللہ" ہوگی اور یہیں سے ولایت کبریٰ کا آغاز ہوگا جو انبیاء علیہم السلام کی ولایت ہے غیر نبی میں یہ دولت جس کسی کو ملی ہے انبیاء کی کامل پیروی سے ملی ہے عالم امر کے پانچوں لطائف کے عروج کی انتہا یہ دائرہ ہے۔

انبیاء کی ولایتِ کبریٰ کا منتہا

اس کے بعد محض اللہ جل شانہٗ کے فضل سے اس مقام سے بھی عروج حاصل ہوتا ہے تو دائرہ حصول کی سیر نصیب ہوتی ہے، پھر اس سے گزر کر دائرہ اصول کی سیر اور اس کو طے کرنے کے بعد "دائرۂ فوقانی" ظاہر ہوتا ہے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب دوسرا قوس ظاہر نہ ہوا تو (اہلِ سلوک) یہیں رک گئے ہیں (حالانکہ) اس کے اندر ایک سیر ہوتی ہے جس سے انھیں مطلع نہیں کیا گیا، اسماء و صفات کے یہ سہ گانہ اصول جن کا ذکر اوپر کیا گیا ذات تعالیٰ و تقدس کی جناب میں محض اعتبارات ہیں ان سہ گانہ اصول کے کمالات کا حصول نفس مطمئنہ سے مخصوص ہے۔ اطمینانِ نفس اِسی موطن میں میسر آتا ہے اور اسی مقام پر شرح صدر حاصل ہوتا ہے اور سالک حقیقی اسلام سے مشرف ہوتا ہے اور نفسِ مطمئنہ تختِ صدر پر جلوس کرتا ہے اور مقامِ رضا تک ترقی کرتا ہے یہ موطن انبیاء کی ولایتِ کبریٰ کا منتہا ہے۔

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب سیر سلوک میں میں یہاں تک

پہنچا تو گمان یہ ہوا کہ کام انجام کو پہنچ گیا۔ غیب سے ندا آئی کہ یہ تمام تفصیل تو اسم "الظاہر" کی تھی جو پرواز کا ایک بازو ہے اور اسم "الباطن" ملاء اعلیٰ کے مبادی تعینات سے متعلق ہے اور اس سیر کی ابتدا کرنا گویا "ولایت علیا" یعنی ولایت ملائکہ میں قدم رکھنا ہے۔ حضرت مجدد فرماتے ہیں کہ اسم الظاہر اور اسم الباطن کے دو پروں کے حصول کے بعد جب سیر شروع ہوئی تو معلوم ہوا کہ "اصالت" کی ترقیات عنصر ناری، عنصر ہوائی اور عنصر آبی کا حصہ ہیں کہ یہی تینوں عناصر ملائکہ کا حصہ ہیں جیسا کہ وارد ہوا ہے کہ ملائکہ میں سے بعض آگ اور برف سے پیدا کیئے گئے ہیں اور ان کی تسبیح ہی سُبْحَانَ مَنْ جَمَعَ بَيْنَ النَّارِ وَالثَّلْجِ ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے جب اس سے آگے سیر حاصل ہوتی ہے، تو کمالات نبوت کی ابتداء ہوتی ہے یہ کمالات انبیاء علیہم السلام کے لئے خاص اور مقام نبوت سے ناشی ہیں انبیاء علیہم السلام کے متبعین کو بھی اتباع کے ذریعہ ان کمالات سے حصہ ملتا ہے اور انسانی لطائف میں ان کمالات سے وافر حصہ عنصر خاک اور عالم خلق کے جملہ عناصر اور عالم امر کے کل لطائف اس (عنصر خاک) کے تابع ہیں چونکہ یہ عنصر انسان سے مخصوص ہے اس لئے بشر کے خواص ملائکہ کے خواص سے افضل ہوئے۔ ولایت صغریٰ، ولایت کبریٰ اور ولایت علیا سب کے سب کمالاتِ نبوت و شیخ کے ظلال ہیں اس کو یوں سمجھو کہ کمالات نبوت کے دائرے میں جب اس کے مرکز پر پہنچتے ہیں تو وہ مرکز دائرے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور وہ کمالات رسالت کا دائرہ ہے جو بالاصالت انبیائے مرسل سے مخصوص ہے جس کسی دوسرے کو ملتا ہے تو محض اتباع کے طفیل ملتا ہے۔ پھر جب دوسرے دائرے کے مرکز پر رسائی ہوتی ہے تو وہ

مرکز بھی دائرے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور یہ دائرہ کمالات اولوالعزم
کا دائرہ ہے جو مثالیت سے بالاتر ہے۔ انبیاء اولوالعزم کو جب یہ منصب عطا
ہوتا ہے تو وہ اشیاء کے قیام (دبقا) کا ذریعہ بنتے ہیں اولیاء میں سے بھی
بعضے ایسے اصحاب دولت ہوتے ہیں جنہیں یہ منصب انبیاء کی اتباع
کے سبب عطا کیا جاتا ہے۔

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب میں اس سیر کی انتہاء پر پہنچا
تو مجھ پر یہ بات کھلی کہ اگر بالفرض سیر سلوک میں دوسرا قدم بڑھایا گیا تو وہ قدم
عدم محض میں جا پڑے گا اِذْ لَیْسَ وَرَاءَهٗ اِلَّا الْعَدَمُ الْمَحْضُ اے عزیزا
اس معاملے سے تم اس وہم میں نہ پڑنا کہ عنقا کو شکار کر لیا فَهُوَ سُبْحَانَهٗ بَعْدُ
وَرَاءَ الْوَرَاءِ ثُمَّ وَرَاءَ الْوَرَاءِ یعنی ذاتِ حق اب بھی دور ہی دور اور اس
تصور دوری سے بھی دور ہے۔ یہ ورائیت (یعنی دور ہونا) حجابات کے اعتبار
سے نہیں ہے کیونکہ حجابات تو سب اٹھ چکے بلکہ اس اعتبار سے ہے کہ اب عظمت
وکبریائی کی منزل آگئی جو فہم سے بالاتر ہے نَحْوَ سُبْحَانَهٗ اَقْرَبُ فِی الْوُجُوْدِ
وَاَبْعَدُ فِی الْوِجْدَانِ یعنی حق تعالیٰ اپنے وجود کے اعتبار سے قریب ترین ہے
لیکن فہم و ادراک سے بہت دور ہے بعضے مکمل مراد ایسے ہوتے ہیں جو انبیاء علیہم
السلام کی پیروی کے طفیل اللہ تعالیٰ کی عظمت وکبریائی میں بار پا جاتے ہیں اور
انھیں محرم راز بنایا جاتا ہے نَعُوْذِلَ مَعَهُمْ مَاعُوْذِلَ یہ معاملہ انسان کی ہیئت
وحدانی سے مخصوص ہے جو عالم خلق اور عالم امر کے مجموعہ سے پیدا ہوئی ہے اور
پھر بھی اس کو عنصر خاک کی سرداری ہے اس مقام کے کمالات ہیئت وحدانی
سے مخصوص ہیں۔ ایسا فرد ہزار ہا ہزار سال کی مدتِ دراز بعد پیدا ہوتا ہے
اور (یاد رکھو کہ) عظمت وکبریائی کے ظہور کا تعلق حقیقت کعبۂ ربانی سے ہے!

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مرتبہ علیا کے بعد "نورِ صرف" کا مرتبہ ہے جس کو اس فقیر نے حقیقت کعبہ ربانی" پایا۔ یہ مرتبہ بہت ہی بلند ہے کہ یہی حقیقت قرآن ہے کعبہ قرآنی حکم ہی کے تحت دنیا کا قبلہ بنا۔ حضرت شیخ سیف الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ قرآن مجید کے انوار کے مکشوف ہونے کی نشانی غالباً یہ ہے کہ عارف کے باطن (قلب) پر ایک بوجھ اترتا (محسوس ہوتا) ہے آیۃ کریمۂ اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا تحقیق ہم آپ پر ایک بوجھل کلام نازل کریں گے، اسی معرفت کی جانب اشارہ رکھتی ہے۔

مرتبہ حقیقتِ صلوٰۃ

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس مقدس مرتبے سے بلند ایک اور مرتبہ ہے بہت عالی جو حقیقتِ صلوٰۃ کا ہے اور ممکن ہے کہ حقیقت صلوٰۃ کی طرف اشارہ اس واقعہ میں ہو جو معراج کے سلسلہ میں آیا ہے کہ قِفْ یَا مُحَمَّدُ فَاِنَّ اللّٰہَ یُصَلِّیْ۔ یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ٹھہر جائیے کہ اللہ تعالیٰ نماز میں ہے یعنی ایسی عبادت جو تجرد اور تنزیہ کے مرتبے کے لائق تھی[1] شاید مراتب وجود سے ثابت ہوئی[2] فَھُوَ الْعَابِدُ وَھُوَ الْمَعْبُوْدُ[3] اس مرتبہ میں ذاتِ بیچونی کی کمال وسعت اور امتیاز ہے۔ حضرت عروۃ الوثقیٰ[4] رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو ذوق و لذت ادائے صلوٰۃ میں میسر آتی ہے اس میں سے نفس کو کوئی حصہ نہیں ملتا، اور عین لذت یابی (کی حالت میں) وہ (نفس) گریہ وزاری میں رہتا ہے اور دنیا میں نماز کا رتبہ ایسا ہے جیسے آخرت میں مشاہدہ باری تعالیٰ! حضرت مجدد فرماتے

---

[1] خود بخود آزاد بودی
[2] خود گرفتار آمدی
[3] پس وہی عابد وہی معبود!
[4] یعنی خواجہ محمد معصوم قدس سرہ

ہیں کہ باری تعالیٰ کی دیدار کی دولت جو سرورِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو معراج کی شب اور بہشت میں حاصل ہوئی تھی وہ دنیا میں نماز کے اندر میسر آتی ہے لہذا ارشاد فرمایا اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ اور ارشاد فرمایا اَقْرَبُ مَا یَکُوْنُ الْعَبْدُ مِنَ الرَّبِّ فِی الصَّلٰوۃِ

حضرت عروۃ الوثقیٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دنیا میں تو اللہ تعالیٰ کی رویت نہیں ہو سکتی البتہ روایت کی مثل ممکن ہے اور وہ نماز میں ہے!

مرتبۂ مقدس

حضرت مجددؒ فرماتے ہیں کہ "حقیقت صلوٰۃ" سے بھی بلند ایک اور مرتبہ ہے "مرتبہ مقدس" جو "معبودیت صرفا" سے متحقق ہے، جس کی برتری ثابت ہے، اس بلندی سے آگے کوئی بلندی نہیں ہے اس مقام میں وسعت بھی تنگ نظر آتی ہے اگرچہ بیچوں ہو انبیاء علیہم السلام اور اکابر اولیاء کی سیر مقام "حقیقت صلوٰۃ" کے حد آخر تک ہے۔ اس سے بلند تر مقام "معبودیت صرف" کا ہے کہ کسی فرد کو یہاں تک رسائی نہیں ہے لیکن اللہ سبحانہٗ کا شکر ہے کہ اس مقام پر نظر ڈالنے کو منع نہیں فرمایا اور اس کے بقدر اس کی اجازت عطا فرمائی۔ ع۔ بلا بودے اگر ایں ہم نہ بودے۔ اور اس مقام کو پاکر کلمہ لاالٰہ الااللہ کی حقیقت متحقق ہوتی ہے! اور لا الٰہ الا اللہ کے معنی منتہی حضرات کے حال کے مناسب "لامعبود الااللہ" ہیں جیسا کہ شرع میں اس کلمے کے یہی معنی بتلائے گئے ہیں اور اوسط درجے کے مبتدیوں کو لاموجود، لاوجود اور لامقصود کہنا زیادہ مناسب اور "لامقصود" کا درجہ "لاموجود اور لاوجود" سے بلند ہے اور اس (لامقصود) سے بلند تر درجہ لامعبود الااللہ کا ہے اور اس مقام میں ترقی نظرِ وحدت بصر کے ذریعہ نماز ہی کی عبادت

سے وابستہ ہے نہ کہ کسی اور عبادت سے البتہ یہی (تلاوت و عبادت بصری) دوسے جو نمازکے نقص کو دور کرکے اُس کی تکمیل (کیفیت حاصل کرنے میں) مدد دیتی ہے۔

فصل۔ ولایتِ صغریٰ کے بارے میں

اکثر اولیاء چونکہ سوائے ایک مقام ولایت کے (جس کو حضرت مجدد رضی اللہ عنہ "ولایت صغریٰ" کہتے ہیں) کسی اور مقام کو ثابت نہیں کرتے اس لئے تعین اول کہ جس کو وحدت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس کو "مرتبہ اجمال" اور "حقیقت محمدی" بھی کہتے ہیں اور تعین ثانی کو جسے وحدانیت سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس کو "مرتبہ تفصیل" اور "حقائق ممکنات" کہتے ہیں۔ وہ اسی مقام پر ٹھہرے رہتے ہیں۔ حضرت مجدد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ انبیاء کو مستثنیٰ کرکے (باقی لوگوں کے لئے) "ولایت صغریٰ" ممکنات کے حقائق کا دائرۂ ظلال ہے اس لئے کہ حقائق انبیاء ان کے مبادی تعینات نفسِ صفات (الٰہیہ) ہیں جس کو ولایتِ کبریٰ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور حقائق ملائکہ کو ولایت علیا سے تعبیر کیا گیا ہے دونوں ولایتوں میں جو فرق ہے اسے پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ اور ولایت کبریٰ کے نقطۂ اعلیٰ کو حقیقتِ محمدی قرار دیکر (حضرت مجددؒ) اس کو صفت العالم یا شان العلم سے تعبیر فرماتے ہیں۔

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مکاشفہ کمالات نبوت کے وصول سے پہلے کا تھا۔ بعد میں جب آپ کمالاتِ نبوت و رسالت اور کمالات اولوالعزم سے مشرف ہوئے تو آپ پر یہ ظاہر ہوا کہ تعین اول (دراصل) تعین وجودی ہے جس سے ابراہیم خلیل اللہ کی ربوبیت وابستہ رہی ہے اور اس کا مرکزی نقطہ جو اپنے اجزائے اشرف و برتر سے عبارت ہے "حقیقت محمدی" ہے۔

محبوبیتِ ممتزجہ اور محبوبیتِ صرفہ

اس کے بعد حضرت مجدد پر یہ بات کھلی کہ تعین اول صفت حب ہے جو دائرہ خلت کو محیط ہے اور جو ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا مبدء تعین اور مرکز محبت ہے۔ جب کوئی سالک اس مرکز پر پہنچتا ہے تو اس کو یہ بھی دائرہ کی صورت میں نظر آتا ہے جس کو "محبت صرفہ" محیط ہے جو حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کا مبدء تعین ہے اور اس کا مرکز محبوبیت ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبدء تعین ہے پھر جب یہ مرکز محبوبیت دائرے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے تو اس کا محیط "محبوبیت ممتزجہ" ہے اور اس کا مرکز "محبوبیت صرفہ" ہے جو "حقیقۃ الحقائق" ہے "محبوبیتِ ممتزجہ" کا تعلق تو اسم مبارک "محمد" سے ہے اور "محبوبیت صرفہ" کا تعلق اسم مبارک "احمد" سے ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) پس سرور کائنات (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے دو ولایتیں ہیں۔ پہلی محبوبیتِ ممتزجہ" والی ولایت جس کو "حقیقت محمدیہ" کہتے ہیں اور "محبوبیت صرفہ" والی جس کو "حقیقت احمدیہ" کہتے ہیں۔ یہی تعین اول ہے، اس سے آگے لاتعین ہے کہ جس میں سیر قدمی کی گنجائش نہیں! اور تعین اول سے آگے (جو حقیقتِ احمدیہ ہے) ترقی ممکن نہیں ہے۔ لیکن آخر عمر میں مرض موت کے قریب حضرت مجدد رضی اللہ عنہ کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع اور طفیل کے سبب اس مقام سے جو ترقی حاصل ہوئی وہ سیر نظری کے ذریعہ تھی نہ کہ سیر قدمی سے! حضرت عروہ الوثقیٰ فرماتے کہ میں نے اس حقیقت کو حضرت مجدد سے اسی مجلس میں حاصل کیا تھا۔

سوال: تعین اول میں دیگر اولیاء اور حضرت مجدد کے کشف میں

اختلاف کی وجہ کیا ہے؟

جواب: حضرت مجددؒ فرماتے ہیں کہ ظلِ شئے اکثر خود کو اصل کے ساتھ ظاہر کرتا ہے اور سالک کو اپنا بنا لیتا ہے۔ پس وہ (اولیاء) تعین ظل کو تعین اول سمجھے جو ایک عارف پر ابتداءً اصل تعین اول کے ساتھ (ظل کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے جو دراصل "تعین حبی" ہے (نہ کہ اصل تعین اول)۔

سوال: علم صفات حقیقیہ میں سے ایک صفت ہے اور حب صفاتِ اضافیہ میں سے ہے اور وجود کو حُبّ پر سبقت حاصل ہے کیونکہ حُبّ وجود کی فرع ہے اس لئے اس کو تعین حُبّی کا ظل کہنا درست نہ ہوگا؟

جواب: علم صفاتِ حقیقیہ سے ہے اور مرتبۂ لاتعین میں داخل ہے۔ اور جملہ مبادی تعینات اعتباری ہیں۔ پہلا اعتبار جو ظہور میں آیا وہ "حب" ہے اگر حب نہ ہوتی تو کوئی تخلیق نہ ہوتی۔ حدیث قدسی میں آیا ہے۔ کُنْتُ کَنْزًا مَخْفِیًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ دوسرا اعتبار وجود ہے جو ایجاد کا مقدمہ ہے تعین وجود گویا تعین حبی کا ظل ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے صفات، اپنے کمالات اور اپنی ذات کو خود ہی بہتر جانتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی صفات جو مرتبہ علم میں ہیں یہ ولایتِ کبریٰ اور ولایتِ علیا کا دائرہ ہے اور ان صفات کے ظلال (دائرہ) ولایتِ صغریٰ ہے۔ اور ذات بے چوں جو کہ مرتبۂ علم میں ہے اس سے کمالات نبوت، کمالاتِ رسالت اور کمالاتِ اولوالعزم حاصل ہوتے ہیں اور حقیقتِ قرآن، حقیقتِ صلوٰۃ اور معبودیت صرفہ مرتبۂ علم سے خارج اعتبارات واقعی ہیں کیونکہ ان کے لئے نفس الامری وجود (ثابت) ہے۔ مثلاً زید خارج میں موجود ہے اور اس کا وجود ایک امر اعتباری ہے کہ جو خارج میں موجود نہیں ہے مگر یہ اعتبار ایسا بھی نہیں ہے کہ جو صرف اعتبار کرنے والے ہی کے اعتبار پر موقوف ہو بلکہ ایک

اعتبارِ واقعی ہے چنانچہ حضرت مجدد رضی اللہ عنہ سوال وجواب کی صورت
کی میں اس بات کو واضح فرماتے ہیں۔

سوال: تعین اول وجودی ہے اور اس کا وجود خارج میں موجود نہیں
ہے۔ ان بزرگوں کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی چیز موجود نہیں
ہے اور وہ خارج میں تعینات وتنزلات کا نہ نام ہے نہ نشان۔ اگر
ثبوتِ علمی کو تسلیم کرد، تو اس سے لازم آئے گا کہ تعین علمی اس کے بعد ہو جو
خلاف حقیقت ہے۔

جواب: میں کہتا ہوں کہ بات ثابت ہے۔ اگر میں ثبوت خارجی کا قائل ہوتا
ہوں تو اس کے معنی یہی ہیں کہ حق تعالیٰ کے علم کے ماسوا بھی ایک ثبوت ہے
تو اس کی گنجائش ہوسکتی ہے واللہ سبحانہ اعلم۔ حضرت عروۃ الوثقیٰ فرماتے ہیں
کہ سمجھ لو کہ تعین اول اور تعین ثانی کے معنی یہ نہیں ہیں کہ حق تعالیٰ تنزل کر کے
حسب ہو گیا یا وجود ہو گیا بلکہ اس کے معنی ایسے ظہور کے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی تنزیہ
کے مناسب اور انبیاء علیہم السلام کے کلام کے مطابق ہو یعنی صادر اول (جسکی
بابت) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ۔

فصل۔ جاننا چاہیئے کہ ولایت اور کمالاتِ نبوت ورسالت اور حقائق کے
ہر مقام میں صوفی کے لئے دو حالتیں ہیں۔ ایک خلق سے کٹ کر حق کی طرف
متوجہ ہونا جو وَاذْکُرِاسْمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا کا مقتضا ہے۔
یعنی اپنے رب کے نام کا ذکر کر اور اس کے غیر سے کٹ جا، جیسا کہ کٹ
جانے کا حق ہے۔ (دوسرے اللہ (کی ذات) سے اللہ کی خاطر رجوع کرنا، یعنی
دوبارہ خلق کے ساتھ تعلق کی تجدید کرنا جو مقام تبلیغ وارشاد کا لازمہ ہے۔
حق تعالیٰ کا ارشاد ہے لَوْجَعَلْنٰہُ مَلَکًا لَّجَعَلْنٰہُ رَجُلًا یعنی اگر ہم فرشتے

کو رسول بناتے تو اس کو آدمی کی ہی صورت میں بناتے یعنی اگر میں فرشتے کو پیغام رسانی کے لئے بھیجتا تو اسے انسانوں کی صفات سے متصف کرتا تاکہ فیض پہنچانے والے اور فیض حاصل کرنے والے میں مناسبت قائم رہتی۔ کیونکہ مناسبت کے بغیر فیض نہیں پہنچتا۔ پہلی حالت (یعنی مخلوق سے کٹ جانے کی صورت) میں کشفی نظر میں ایسا دکھائی دیتا ہے کہ گویا صوفی اللہ تعالیٰ کی طرف سیر کر رہا ہے اور دوسری حالت (یعنی دوبارہ مخلوق کی رجوع) میں یوں نظر آتا ہے کہ گویا بارگاہ حق سے خلق کی طرف آ رہا ہے۔ اس حالت میں صوفی ملول رہتا ہے اور جس قدر اس کا نزول اتم ہوتا ہے اس کا فیض اتنا ہی زیادہ دنیا میں زیادہ سرایت کرتا ہے۔

فائدہ: سورۂ سبح اسم کا (کثرت سے) پڑھنا عروج میں نہایت موثر ہے!

فضیلتِ مجددِ الف ثانیؒ

فصل: عروجات (یعنی ترقیات روحانی) کے بارے میں یہ جتنی باتیں بیان ہوئیں، یہ سب باتیں حق تعالیٰ نے ایک ہزار سال کے بعد مجدد الف ثانیؒ کو عطا فرمائیں اولیاءِ سابق میں سے کسی نے اس بارے میں کلام نہیں کیا تھا۔ یہ تمام باتیں اس بات پر مبنی ہیں کہ پچھلی امتوں میں ہدایتِ خلق کے لئے ہر قرن اور ہر قریہ میں انبیاء علیہم السلام مبعوث کرتے رہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ۔ یعنی ایسی کوئی بستی نہیں رہی جس میں کوئی پیغمبر نہ گزرا ہو۔ اور ان میں کے بعض مرتبۂ رسالت تک پہنچے ہیں چنانچہ حدیث میں ہے کہ انبیاء کی کل تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار اور رسولوں کی کل تعداد تین سو سولہ ۳۱۶ ہے، ان میں ہر ہزار سال بعد یا اس کے لگ بھگ ایک اولو العزم پیغمبر مبعوث ہوتا رہا (مثلاً حضرت آدمؑ کے ایک ہزار سال بعد نوح علیہ السلام، اور ایسے ہی ان کے بعد حضرت ابراہیمؑ، ان کے بعد حضرت موسیٰ، ان کے بعد حضرت عیسیٰ علیہم السلام

اور ان کے بعد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (بہ حیثیت) خاتم النبین تشریف لائے۔ لہ

لہ تاریخ سے اس نظریہ کی تائید نہیں ہوتی۔ حقائق کم وبیش یہ سامنے آتے ہیں :-

۱ وقفہ درمیان آدم و نوح علیہما الصلوٰۃ والسلام

حضرت نوحؑ، حضرت آدمؑ کی دسویں پشت میں ہیں، درمیان کی آٹھ ہستیاں اور ان کی عمریں درج ذیل ہیں :-

نام			عمر	
شیث (علیہ السلام)			۹۱۲	سال
اَنُوش	"	"	۹۰۵	"
قِینان	"	"	۹۱۰	"
مَہلَل اِیل	"	"	۸۹۵	"
یادر	"	"	۹۶۲	"
خُنُوک (ادریس)	"	"	۳۶۵	"
متوشلح	"	"	۹۶۹	"
لمک	"	"	۷۷۷	"
			۶,۶۹۵	سال

اوسطاً ۲۵ سال فی کس بھی وقفہ مناکحت و تولد کے نکالے جائیں تو

۶,۶۹۵ سال

۱۴۰ — سال

وقفہ درمیان آدم و نوح ۶,۵۵۵ سال (تقریباً)

بقیہ حاشیہ پچھلے صفحہ سے آگے:۔

(۲) **وقفہ درمیان نوح و ابراہیم علیہما الصلوٰۃ والسلام**

وفات حضرت نوح علیہ السلام ۔ ۲۸۸۲ ۔ ق ۔ م
پیدائش حضرت ابراہیم " " ۔ ۲۱۶۰ ۔ ق ۔ م
وقفہ ــــــــــ ۷۲۲ سال

(۳) **وقفہ درمیان ابراہیم و موسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام**

وفات حضرت ابراہیم علیہ السلام ۔ ۱۹۸۵ ۔ ق ۔ م
پیدائش حضرت موسیٰ " " ۔ ۱۵۲۰ ۔ ق ۔ م
وقفہ ــــــــــ ۴۶۵ سال

(۴) **وقفہ درمیان موسیٰ و عیسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام**

وفات حضرت موسیٰ علیہ السلام ۔ ۱۴۰۰ ق ۔ م
پیدائش حضرت عیسیٰ " ۔ ۱ عیسوی
وقفہ ــــــــــ ۱۳۹۹ سال

(۵) **وقفہ درمیان عیسیٰ علیہ السلام و بعثت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام**

رفع حضرت عیسیٰ علیہ السلام ۔ ۳۳ عیسوی
بعثت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ۔ ۶۱۰ " (پیدائش مبارک ۵۷۰ء + ۴۰ سال عمر شریف قبل بعثت)
وقفہ ــــــــــ ۵۹۷ سال

نوٹ:۔ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ حضرت انبیاء کرام کی تاریخ بعثت بھی ٹھیک ٹھیک معلوم ہوتی تو یہ جدول زیادہ قطعی ہو سکتا۔ اب بھی قیاسی طور پر اس کا تعین کیا جائے تب بھی چند سال کی کمی بیشی سے بات اپنی جگہ قائم رہتی ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو انبیاء قرآن جلد اول، دوم، سوم از فاضل گرامی جمیل احمد (ایم۔ اے)

نے ہدایتِ خلق کے سلسلے میں آپ کی نیابت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَا یعنی علماء پیغمبروں کے وارث ہیں۔ اور ان کے درمیان ایک شخص زائد مرتبہ والا اسی طرح ہوتا ہے جیسے انبیاء کے درمیان رسول اور ایسا شخص ہر صدی کے سرے پر دین کی تجدید کے لئے برپا کیا جاتا ہے!

ابو داؤد وغیرہ نے آنحضرت علیہ السلام سے روایت کی ہے اِنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ لِیْ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَلٰی رَأْسِ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَنْ یُّجَدِّدُ بِہٖ اَمْرَ دِیْنِھَا یعنی حق تعالیٰ اس امت میں ہر صدی کے سرے پر ایک ایسے شخص کو مبعوث کرے گا جو دین کی تجدید کرے۔

اور جب ہزار سال گزر چکے اور اولو العزم کی نوبت آئی تو حق تعالیٰ نے اپنی عادت قدیم کے مطابق دوسرے ہزارہ (ہزار سال) کے لئے ایک مجدد پیدا کیا[1] جو تمام اولیاء مجددین میں اسی طرح اولوالعزم ہو جیسے نبیوں اور رسولوں میں گذرے ہیں اور اس مجدد (ہزار سالہ) کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بچے ہوئے خمیر سے پیدا کیا گیا اور اسے وہ مقامات و کمالات عطا فرمائے جو کسی نے نہ دیکھے تھے اور اس کے طفیل ان کمالات کو (اس) آخر زمانے میں ظاہر فرمایا۔ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے فرزند سے روایت کرتے ہیں اور وہ اپنے والد اور جد بزرگوار رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

---

[1] ہزارہ دوم کی اہمیت اور اس کے اسباب امتیاز کیا ہیں؟ اس کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ دعوت و عزیمت جلد (۴) کا بصیرت افروز مضمون "الفِ ثانی سے نئے نظام عالم کے آغاز کا مغالطہ" (مصنفہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ)

اَبْشِرُوْا وَاسْتَبْشِرُوْا اِنَّمَا مَثَلُ اُمَّتِیْ مَثَلُ غَیْثٍ لَا یُدْرٰی اٰخِرُہٗ خَیْرٌ اَمْ اَوَّلُہٗ اَوْ کَحَدِیْقَۃٍ اُطْعِمَ فَوْجًا مِنْھَا عَامًا ثُمَّ اُطْعِمَ فَوْجًا مِنْھَا عَامًا لَعَلَّ اٰخِرُھَا فَوْجًا اَنْ یَّکُوْنَ اَعْرَضَھَا عَرْضًا وَاَعْمَقُھَا عُمْقًا وَ اَحْسَنُھَا حُسْنًا یعنی لوگوں کو خوشخبری سناؤ کہ خوش رہو کہ تحقیق میری اُمت کا حال بارش کے مانند ہے کہ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس کا آخر بہتر ہے یا اس کا اول، یا پھر میری امت کا حال ایک باغ کی طرح ہے کہ جس باغ سے میں ایک سال ایک قسم کا میوہ کھاتا ہوں اور دوسرے سال دوسری قسم کا ہو سکتا ہے کہ اس کی آخری قسم زیادہ وسیع اور زیادہ گہری ہو اور زیادہ بہتر ہو۔

کتاب الزہد میں بیہقی نے ابوہریرہؓ اور ایسی ہی ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مَنْ تَمَسَّکَ بِسُنَّتِیْ عِنْدَ فَسَادِ اُمَّتِیْ فَلَہٗ اَجْرُ مِأَۃِ شَھِیْدٍ یعنی جس نے میری سنت کو میری امت کے بگاڑ و بے راہ روی کے زمانے میں مضبوط پکڑا اسے سو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔ اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ آخر زمانے میں بعضے ایسے لوگ ہونگے جن کے علوم و کمالات دوسروں سے وسیع تر، عمیق تر اور خوب تر ہوں گے تو جو کوئی فسادات امت اور کفر و معاصی کے غلبے کے زمانے میں سنت کو مضبوطی سے تھامے رہے تو اس کو سو شہیدوں کے برابر ثواب ملے گا۔

خاتمہ سلوک نقشبندیہ کے بیان میں

تمام مسلمانوں کو عموماً اور نقشبندیہ طریقے کے صوفیہ کو خصوصاً کہ جن کے طریق کی اساس ہی اتباع سنت پر رکھی گئی ہے، ضروری ہے کہ فقہ و حدیث کی خدمت کریں تاکہ عبادات اور عادات کے اندر فرائض اور واجبات، محرمات، مکروہات و مشتبہات اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں

کو معلوم کر سکیں اور حتی الامکان سنت کی پیروی میں کوشاں رہیں خصوصاً فرائض و واجبات کی تعمیل، مکروہات و مشتبہات سے پرہیز کرنے میں سنت کی رعایت سختی سے ملحوظ رہے۔

جسم، لباس، جگہ کی طہارت میں اور نماز کی تمام شرائط کے پورا کرنے میں پوری احتیاط برتیں البتہ ظاہری طہارت کے معاملے میں وسوسوں کی حد تک نہ پہنچیں کیونکہ یہ بہت بری بات ہے اور پانچ وقت کی نماز مسجد میں جماعت کے ساتھ اس طرح ادا کریں کہ تکبیر اولیٰ فوت نہ ہو۔ جماعت میں زیادہ افراد ہوں اور نمازیوں میں کے بہترین شخص کو امام بنائیں۔ حدیث میں آیا ہے الإمام ضامن یعنی مقتدی کی نماز امام کی ضمانت میں ہے پس امام جس درجہ کامل ہوگا اسی قدر نماز کامل میسر ہوگی۔ اور جمعہ کی نماز کبھی ترک نہ ہونے دیں اور نماز کے تمام سنن اور آداب کی پوری رعایت رکھیں۔ نماز کامل اطمینان سے پڑھیں اور قرآن کی صحت اور تجوید کے ساتھ بغیر غلط کے خوش آوازی سے پڑھیں اور نماز کو مستحب اوقات میں ادا کریں اور سنت راتبہ جو بارہ رکعت ہیں اور نماز تہجد کہ وہ بھی سنت موکدہ ہی ہے کبھی ترک نہ کریں۔

اور ماہ رمضان المبارک کے روزے احتیاط کے ساتھ پورے کریں۔ اور روزے کے ثواب کو لغو یا گناہ کی باتوں یا غیبت کے سبب ضائع نہ کر بیٹھیں۔ اور نماز تراویح، ختم قرآن اور اخیر رمضان کے عشرے میں اعتکاف کو لازم کرلیں اور لیلۃ القدر کی تلاش میں رہیں اور اپنے ذکر کے اوقات کو معمور رکھیں (یعنی ان میں کوئی اور کام نہ کریں) اور اگر صاحب نصاب ہوں تو زکوٰۃ کی ادائیگی فرض ہے۔ لیکن اس باب میں سنت یہ ہے کہ ضروری حاجتوں سے زیادہ مال و دولت نہ رکھیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی فتح کے بعد ایک ایک

ازواج مطہرات کو ہر سال چھ سو من جو اور کھجوریں عطا فرمائیں اور اپنے پاس ایک درہم بھی نہ رکھا۔

اور حلال کی کمائی کھائیں اور خرید و فروخت وغیرہ کے معاملات میں فقہی مسائل کی پوری پابندی کریں لوگوں کے حقوق کی ادائیگی کی انتہائی کوشش کریں۔ اگر حقوق اللہ کے ادا کرنے میں کوتاہی سرزد ہو جائے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور پیران عظام کی شفاعت کے ذریعہ قوی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مغفرت فرما دیں لیکن حقوق العباد کی کوتاہی معاف نہیں ہوتی۔

اور نکاح کرنا انبیاء کی سنت ہے اور نکاح نہ کرنے سے بہت سے فرائض اور سنن کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ لیکن اگر اس کے حقوق ادا نہ ہو سکتے ہوں تو بہتر ہے کہ نکاح نہ کرے۔ اس بارے میں ہم نے مختصر باتیں لکھ دی تفصیل فقہ و حدیث کی کتابوں میں دیکھیں۔

فرائض و واجبات کی ادائیگی اور مکروہات و مشتبہات سے کامل پرہیز کے بعد ایک صوفی پر لازم ہے کہ اپنے اوقات ذکر الٰہی سے معمور رکھے اور بیہودگی میں وقت نہ گزارے۔ حدیث میں آیا ہے کہ اہل جنت حسرت نہ کریں گے مگر اس ساعت پر کہ جس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر نہ کر سکے تھے۔ فنائے نفس حاصل ہونے سے قبل نوافل کی کثرت اور قرآن کی تلاوت قرب کی ترقی میں با اثر نہیں ہوتے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۝ یعنی قرآن کو پاکی کے بغیر نہ چھوئیں، جیسے ظاہری طہارت نماز کی شرط ہے رذائل نفس سے پاکی کے بغیر نماز و تلاوت کی برکتیں حاصل نہیں ہو سکتیں۔ جس طرح ظاہر میں کلمۂ لا الٰہ الا اللہ سے سے کفر کا ازالہ ہوتا ہے اسی طرح باطنی کفر کا ازالہ بھی اس کلمۂ لا الٰہ الا اللہ سے ہوتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جَدِّدُوْا اِیْمَانَکُمْ یعنی اپنے ایمان

کوتازہ کرو لوگوں نے دریافت کیا کہ کس طرح ایمان کو تازہ کریں؟ فرمایا کلمۂ طیبہ لاالٰہ الااللہ کی تکرار سے۔

سلاسل تصوف کے تمام مشائخ نے اپنے مریدوں کو اسی ذکر لاالٰہ الااللہ کی تلقین کی ہے بعضے بلند آواز سے بتلاتے ہیں اور اسی سے تلاش (مقصود) کرتے ہیں۔ اور حضرات نقشبند ذکر جہری کو (بلند آواز سے) بدعت خیال کرتے ہیں اور ذکر خفی پر اکتفا کرتے ہیں پس فنائے قلب وغیرہ حاصل کرنے کے لئے عالم امر کے لطائف میں حبس دم کے ساتھ ذکر لاالٰہ الااللہ کو مفید سمجھتے ہیں سانس کو ناف کے نیچے روک کر اور لا کو خیال میں ناف سے دماغ تک اور الٰہ کو دماغ سے دائیں کندھے پر اور وہاں سے لطیفہ روح تک جو دائیں چھاتی کے نیچے ہے لاتے ہیں اور وہاں سے الااللہ کی ضرب دل پر لگاتے ہیں جو بائیں چھاتی کے نیچے ہے۔ اس طرح اس معنی پر دھیان رکھتے ہوئے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک کے کوئی مقصود نہیں ہے۔ ذکر کرتے اور طاق عدد کی رعایت ملحوظ رکھتے ہیں اس کو "وقوفِ عددی" کہتے ہیں۔ یہ عمل خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحمۃ اللہ علیہ سے (پہنچا ہے) اور انہیں حضرت خواجہ کائنات سے ملا ہے۔ اور فنائے نفس کے لئے کلمۂ طیبہ کے معنوں کو دھیان میں رکھتے ہوئے اس کی تکرار نہایت مفید ہے کیونکہ نفس عالم خلق سے ہے فنائے نفس کے حصول کے بعد کمالات نبوت کے مقام اور اس سے آگے ترقی قرآن کی تلاوت اور نماز کی کثرت سے حاصل ہو سکتی ہے جیسا کہ مقامات کے بیان میں اوپر ذکر آچکا۔ ایک شخص نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ جنت میں آپ کی قربت حاصل رہے آپ نے فرمایا کہ کوئی دوسری چیز طلب کر۔ اس شخص نے عرض کیا کہ میں تو یہی چاہتا ہوں (تب) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھا تو پھر اپنے نفس کو

سجدوں کی کثرت کا خوگر بنا کر (اس مقصد کے حصول میں) میری معاونت کرا
مراقبے کی کثرت مبتدی کے لئے بھی نفع بخش ہے اور منتہی کے لئے بھی۔
حضرت خواجہ نقشبند رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مراقبے کی کثرت سے صوفی
ولایت کے مراتب تک پہنچ سکتا ہے مبتدی (سالکین) کو پہلے پہل ذات الٰہیہ
جامع تمام صفات کا مراقبہ بتلایا جاتا ہے، جب اس کو اس مراقبے کے ذریعہ جمعیت
حاصل ہو جاتی ہے تو "مراقبۂ معیت و ملاحظہ" کی تلقین کرتے ہیں جو قول الٰہی وَهُوَ
مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ (تم جہاں کہیں بھی ہو خدا تمہارے ساتھ ہے) سے ماخوذ ہے اور
فنائے قلب کے بعد "مراقبۂ اقربیت" بتلاتے ہیں اور نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ
مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (یعنی خدا اس سے اُس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے)
کا ملاحظہ (یعنی تصوری مشاہدہ) سکھلاتے ہیں پھر فنائے نفس کے بعد "مراقبۂ محبت"
کی تلقین کرتے ہیں اور يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ (یعنی خدا ہمیں دوست رکھتا ہے
اور ہم خدا کو دوست رکھتے ہیں) کا ملاحظہ سکھلاتے ہیں پھر جب فنائے اتم حاصل
ہو جائے تو (اب) کمالات نبوت اور اس سے مافوق (تک رسائی) کے لئے "مراقبہ
ذات بحت" کی پابندی (اور اس پر دوام) رکھے!
ذکر و فکر اور فرائض و نوافل سے فراغت کے بعد اگر صاحب افتاء علماء اور صلحاء
کی صحبت اور مکالمت (بات چیت) میسر آجائے تو اس کو بڑی دولت سمجھے،
بشرطیکہ وہ علما دنیا داروں کی صحبت سے بچنے والے ہوں اور اگر صالح لوگوں کی صحبت
میسر نہ ہو تو تنہا بیٹھ رہنا یا سو جانا بہتر ہے اَلْعُزْلَةُ خَيْرٌ مِنَ الْجَلِيْسِ السُّوْءِ
وَالْجَلِيْسُ الصَّالِحُ خَيْرٌ مِنَ الْعُزْلَةِ یعنی بُرے ہم نشین سے گوشہ نشینی بہتر
ہے اور اچھے ہم نشین (کا ساتھ) گوشہ گیری سے بہتر ہے۔ جاہلوں، فاسقوں اور دنیا
میں غرق لوگوں کی صحبت اور میل جول سے باطن کا کارخانہ تباہ ہو جاتا ہے مبتدی

صوفیوں کے حق میں تو یہ چیز بہت ہی زیادہ مضر ہے کیونکہ کم پانی کو نجاست ناپاک کر دیتی ہے البتہ صوفیوں، صاحب دلوں اور اللہ کے ولیوں کی ہم نشینی ذکر اور عبادت الٰہی سے بھی زیادہ مفید ہے ۔ صحابہ (رضی اللہ عنہم) آپس میں ایک دوسرے سے کہتے تھے اَجْلِسْ بِنَا نُؤْمِنْ سَاعَةً یعنی ہمارے پاس بیٹھو تاکہ ہم ایمان تازہ کر لیں مولوی روم فرماتے ہیں ۔

یک زماں ہم صحبت با اولیا   بہتر از صد سال بودن در تقا

اور حضرت خواجہ احرار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

نماز را بحقیقت قضا بود لیکن   نماز صحبت ما را قضا نخواہد بود

ایک شخص نے کسی دوسرے سے کہا کہ بایزیدؒ کی صحبت میں بیٹھا کر اس شخص نے جواب دیا کہ میں تو اللہ تعالیٰ کی صحبت میں رہتا ہوں تو اس شخص نے کہا کہ بایزید کی صحبت میں رہنا اللہ تعالیٰ کی صحبت میں رہنے سے بہتر ہے (اس قول کا منشاء یہ تھا کہ (موجودہ حالت میں) تو اپنی حیثیت اور حوصلہ کے مطابق ہی جناب الٰہی سے فیض و برکت پائے گا لیکن بایزید کی صحبت میں تو تجھ کو ان کے مرتبہ عالی کے موافق فیض حاصل رہے گا ۔

دور شو از اختلاط یار بد   یار بد بدتر بود از مار بد

مار بد تنہا ہمی بر جان زند   یار بد بر جان و بر ایمان زند عہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّکَ وَحُبَّ عَمَلٍ یُّقَرِّبُنِیْ اِلَیْکَ آمین آمین ۔

عہ ترجمہ برے دوست سے دور رہو کیونکہ ایک برا دوست برے سانپ سے بھی زیادہ ضرر رساں ہوتا ہے سانپ کے ڈسنے سے تو صرف جان چلی جاتی ہے اور برا دوست تو جان اور ایمان دونوں ہی کو ہلاک کر دیتا